بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان

ماہنامہ

العصر

پشاور

پاکستان

مدیر مسئول

مفتی غلام الرحمٰن

جنوری ۔ فروری ۱۹۹۶ء / شعبان ۔ رمضان ۱۴۱۶ھ

جامعہ عثمانیہ

نوتھیہ روڈ پشاور

Scanned with CamScanner

العصر اور آپ کی ذمّہ داری؟

• جن حضرات کی رکنیت کا ایک سال پورا ہو رہا ہے۔ ان سے درخواست ہے کہ نئے سال کے لئے اپنا چندہ مبلغ ۶۰/- (ساٹھ روپے) سالانہ مقامی نمائندگان کے ذریعہ یا بذریعہ منی آرڈر دفتر ماہنامہ "العصر" کو بھیج دیں۔ تاکہ اس کمر توڑ مہنگائی، ناموافق فضا اور ابتدائی حالات کے ہوتے ہوئے "العصر" اپنا خوشگوار سفر جاری و ساری رکھ سکے۔

چندہ کے اختتام پر اطلاع دینے کے باوجود کسی رکن کی طرف سے زرِ تعاون موصول نہ ہونے پر وی۔ پی بھیجا جائے گا۔ جس کا وصول کرنا رکن کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

• ادارہ "العصر" کے نمائندگان حضرات

- مولانا فصیح الرحمٰن کراچی
- خان بادشاہ چراٹ سیمنٹ فیکٹری
- مولانا ظہیر الدین۔ راولپنڈی
- حاجی غنی الرحمٰن۔ مردان
- مفتی محمد جمیل۔ سوات
- ضیاء الرحمٰن۔ جہانگیرہ۔ صوابی
- مفتی ارشاد احمد مرغز۔ ٹوپی
- لیاقت علی کالونی سرحد بلز امان گڑھ
- مولانا خلیل اللہ حقانی الاثی جنگ گرام
- مولانا محمد رحمٰن۔ ٹل کرم ایجنسی۔
- قاری محمد سلیمان ٹیکسلا
- حمید خان و ظاہر شاہ۔ پی۔ ٹی۔ سی اکوڑہ خٹک
- مولانا شمشاد علی اوگی مانسہرہ
- مفتی دلبر شاہ۔ بنیر۔ سوات
- مفتی عبد الرحمٰن لنڈی کوتل خیبر ایجنسی
- مفتی مختار اللہ دو بندی جہانگیرہ نوشہرہ
- شاہ نواز، ہری پور
- قاضی محمد طیب، چارسدہ
- مولانا خواجہ عبد الماجد صدیقی، خانیوال

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان ماہنامہ

العصر پشاور

• جلد ۲ • شمارہ ۱

مجلس ادارت

سرپرست: شیخ الحدیث مولانا سید شبیر علی شاہ، پی ایچ ڈی مدینہ منورہ

نائب مدیر: مولانا ذاکر حسن نعمانی

مدیر مسئول: مفتی غلام الرحمن

ناظم: قاری ہدایت الرحمن

بدلِ اشتراک

فی پرچہ ۷/- روپے

سالانہ اندرون ملک ۸۰/- روپے

بیرون ملک ۱۰ ڈالر

رابطہ

فون دفتر:- ۰۵۲۱-۲۷۳۵۶۱

رہائش:- ۰۵۲۴۹-۷۶۱

خط و کتابت

ماہنامہ "العصر" پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹

جامعہ عثمانیہ پشاور کینٹ پاکستان

ترسیلِ زر

ماہنامہ "العصر" اکاؤنٹ نمبر ۷۸۸

یونائیٹڈ بینک سنہری مسجد روڈ پشاور صدر

پبلشر:- مفتی غلام الرحمن

طابع:- منظور عام پریس پشاور

مقام اشاعت:- جامعہ عثمانیہ نزد کوٹلہ محسن خان نوتھیہ روڈ پشاور صدر

فہرست مضامین

عصری تقاضے اور اہل علم کی ذمہ داریاں	مدیر اعلیٰ	۲
ملت اسلامیہ کا قیمتی سرمایہ	ڈاکٹر معروف دوالیبی	۵
یہودیت سے اسلام تک	محترم مختار فارانی	۱۵
قومی املاک میں خیانت اور اسکے اثرات	مفتی غلام الرحمان	۲۲
تحدید قیمت کا شرعی تجزیہ	مولانا ذاکر حسن نعمانی	۲۸
العصر کی سالانہ کارکردگی	ادارہ	۳۲
کائنات کا بہترین استاد	مفتی غلام الرحمان	۳۴
نئی نسل کی اخلاقی تباہی کا ذمہ دار کون؟	مظہر وقار	۴۲
تعارف و تبصرہ کتب	پروفیسر ڈاکٹر محمد امین	۴۴
اخبار الجامعہ	مولانا حسین احمد	۴۷

طرب منتوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بدبخت کے سیاہ کارنامے کے بارے میں فرمایا۔

ومن الناس من يشترى لهوا الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا اولئك لهم عذاب مهين۔

یعنی کرہ ارض پر بعض ایسے بدبخت لوگ بھی ہیں۔ جو ایسی باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بے سمجھے بوجھ گمراہ کرے۔ اور اس کی ہنسی اڑا دے۔ ان لوگوں کے لئے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔

بے دینی کے ایسی علانیہ دعوت علماء کرام کو اپنی جہت عمل متعین کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم اپنے نونہال اور نوخیز طلباء کی تربیت ایسے نہج پر کریں۔ کہ بے دینی کی اس یلغار کے لئے ہمارے طلباء سد ذوالقرنین ثابت ہوں۔ عصری تقاضوں کو جانتے ہوئے علماء ان چیلنجوں کا احساس کریں۔ اور پھر ان کی زبان میں جواب دے سکیں۔ یہ تب ممکن ہے کہ ہمارے طلباء اپنے علم میں رسوخ اور پختگی پیدا کرکے دین کا کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کریں۔ ظاہر و باطنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو کر تقویٰ جیسی عظیم دولت سے بہرور ہوں دینی علم کا دنیوی مفاد سے قیمت لگا کر صلاحیتیں ضائع نہ کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی میدان اسلام کا ہے۔ اور اسلام کے داعی ہی اس میدان کو سنبھالنے والے ہیں۔ بقول اقبال مرحوم کہ

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
میری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافر شب! خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

والعصر ان الانسان لفی خسر

غلام الرحمٰن
۸/۹/۲۰۱۶ء

ڈاکٹر معروف دوالیبی

ملّتِ اسلامیہ کا فقہی سرمایہ

عہد صحابہؓ کے بعد امت میں علوم و فنون کی تدوین کی جو حیرت انگیز تحریک اٹھی اس نے اگرچہ زندگی کے ہر گوشہ پر علوم و معارف کے انبار لگا دیئے۔ مگر امت کو سب سے زیادہ جس شعبہ علم سے فائدہ پہنچا وہ اسلامی قانون کا شعبہ ہے۔ فقہائے اسلام نے اس شعبہ میں جو تحقیقی و تالیفی سرگرمیاں دکھائی ہیں اور قانونی مواد پر مشتمل جو قابل قدر اور باافراط ذخیرہ مستقبل کی نسلوں کی طرف منتقل کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسری قوم کی، تاریخ سے مہیا نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی دوسری قوم کا علمی و قانونی ورثہ اس کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے۔ شعبہ قانون کی ترقی و شادابی اور اس سے علماء کا غیر معمولی شغف دراصل تین بنیادی عوامل کا مرہون منت ہے۔

پہلا بنیادی عامل اجتہاد ہے۔ شریعت اسلامی نے شروع ہی سے اجتہاد کو قانون کے مآخذ اور مصادر کے دائرے میں شامل کر لیا تھا اور اس کے اختیارات اسلامی حکومت کی آزاد عدلیہ اور فقہائے اسلام کی خداداد صلاحیتوں کو تفویض کر دیئے تھے۔ شریعت اسلامی کا یہ فیصلہ فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے تحقیق و تدقیق اور بحث و نظر کے راستوں کو کھولنے کا بہت بڑا محرک ثابت ہوا۔ اور اس نے ہر فقیہ اور ہر قانون دان کے اندر یہ ولولہ پیدا کر دیا کہ وہ اپنے اجتہادات اور نتائج کو جامہ تدوین و ترتیب پہنائے۔ اجتہاد اور قیاس کی بساط لپیٹ جانے کا دور بہت بعد کا ہے۔ جس دور کی بات ہم کر رہے ہیں۔ اور وہی دراصل ہمارے فقہی و قانونی توسیع کا دور ہے۔ اس وقت علماء اور حاملین فقہ کی جانب سے کبھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ وہ اجتہاد کے دروازے پر تالے چڑھا دیں۔ اور لوگوں کو صرف ایک مخصوص مذہب کی پیروی پر مجبور کریں۔ اور اس علمی تحریک کے روزافزوں پھیلاؤ کو روک دیں جس کے برگ و بار سے آج تک امت نہ صرف محفوظ ہو رہی ہے بلکہ دوسری اقوام کے سامنے اس کا سر فخر بلند ہے۔ اس کے برعکس ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وقت "وحدت مذہب" کا خیال نوک زبان پر لایا ہے تو خود فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے اس وقت ہمارے سامنے اس کی دو بین مثالیں موجود ہیں۔

1۔ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد عباسی خلیفہ منصور جب حج کو گیا تو وہاں امام مالک رحمۃ اللہ
سے اس کی ملاقات ہوئی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس وقت منصور نے مجھ سے کہا:۔ "میں
نے پختہ نیت کرلی ہے کہ آپ کی تصنیف (موطا) کی نقلیں کروا کر مسلمانوں کے ہر شہر میں
ایک ایک نقل بھیج دوں اور حکم جاری کردوں کہ لوگ اس کے احکام پر عمل کریں اور اس
کے سوا کسی کی طرف رجوع نہ کریں"۔ میں نے کہا "امیرالمومنین! آپ کا یہ خیال درست
نہیں ہے لوگوں کے اندر پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اقوال
جاری و ساری ہیں ان کی زبانوں پر مختلف احادیث کا چرچا ہے۔ اور ہر گروہ اپنے انہی احکام و
فتاویٰ پر قائم ہے جو صحابہ کرام سے دراثتہ" اس تک پہنچے ہیں۔ ایسی حالت میں لوگوں کے
اختیار کردہ مسلک سے تعرض کرنا مناسب نہیں ہے"۔

2۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہی سے ایک دوسری روایت ہے جسے ابو نعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے۔ امام
مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہارون الرشید نے مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ وہ چاہتا ہے موطا کو
خانہ کعبہ میں آویزاں کرے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروی پر مجبور کرے۔
لیکن میں نے جواب دیا کہ "ایسا نہ کرو خود صاحبہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر جزئیات
و فروعات میں اختلاف برپا تھا۔ اور وہ اسی حالت میں مختلف شہروں میں پھیل گئے اور انہیں
سے ہر شخص راہ صواب پر تھا"۔

دوسرا بنیادی عامل جو ہمارے قانونی و تشریعی ذخیرے کے اندر تعجب خیز فراوانی اور بہتات کا
موجب ہوا ہے یہ تھا کہ اسلامی سلطنت کے وسیع و عریض اطراف میں بیک وقت اجتہادی
قوتیں سرگرم عمل تھیں۔ اور اندلس سے لیکر حدود چین تک مجتہدین کی مجالس درس پھیلی
ہوئی تھیں۔ چونکہ ہر خطے کے باشندے جدا جدا عادات و مزاج رکھتے ہیں ہر ایک کی اقتصادی
و تمدنی ضروریات ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ اس وجہ سے ہر خطے کے لوگ لاتعداد ایسے
مسائل سے دوچار تھے جن کے بارے میں کتاب اللہ یا سنت رسولؐ سے ان کے پاس کوئی
رہنمائی نہ تھی۔ چنانچہ وہاں کے علماء کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے مسائل و معاملات کے
بارے میں اپنی اجتہادی بصیرت سے کام لیں اور کتاب و سنت سے ان کے احکام مستنبط
کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر خطہ میں تخریج احکام اور استنباط مسائل کا عمل جاری ہوگیا اور
اس طرح عالم اسلامی کے ہر بڑے شہر میں فقہ اسلامی کا مرکز وجود میں آگیا۔ حدود چین کی

Scanned with CamScanner

طرف افغانستان' ایران میں نیشاپور' عراق میں بغداد' کوفہ اور بصرہ' شام میں دمشق اور حمص' حجاز میں مدینہ اور مکہ' مصر میں فسطاط' تونس میں قیروان' اندلس میں قرطبہ' غرناطہ اور طلیطلہ کے تاریخی شہر ائمہ مجتہدین اور بالغ نظر مقننین کے وجود سے مالا مال رہے ہیں ان عواصم (؟) کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں کی تعداد احاطہ شمار سے باہر ہے۔ جہاں مدت مدید تک تحقیقات و تخریجات کے چشمہ ابلتے رہے ہیں۔ اور امت کی کھیتی کو سیراب کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح فقہی ثروت میں اضافہ اور ازدیاد کا باعث حج کا عالمگیر اجتماع بھی تھا۔ دور اجتہاد میں علماء کی معتدبہ تعداد اسلامی سلطنت کے اطراف واکناف سے جمع ہو کر ہر سال حج کے لئے آتی اور اس سے مکہ اور مدینہ میں سال بہ سال علمی کانفرنس کا انعقاد ہوتا رہتا تھا۔ جس میں ہر صاحب علم اپنے اپنے علم افکار' اجتہادی آراء اور اپنے ملک کے پیش آمدہ مسائل دوسروں کے سامنے رکھتا تھا۔ ان پر تبادلہ خیالات ہوتے مذاکرات و مباحثے ہوئے۔ ایک خطہ کے علماء کو دوسرے خطہ کے علماء کی آراء سے مستفید ہونے اور ہر ایک کو اپنے اپنے خیالات کے مطابق مسائل اور احکام اختیار کر لینے کا موقع ملتا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی عالمگیر سالانہ علمی کانفرنسیں جو حج کے طفیل منعقد ہو جایا کرتی تھیں' کتنے عظیم اثرات کی حامل ہوتی تھیں۔ اور انہوں نے مجتہدانہ دقت رسی اور فقہی تالیف و تصنیف کی تحریک کو فروغ دینے میں کتنا حصہ لیا ہے۔

ان تین اساسی محرکات کے فیض سے مسلمان قوم کے اندر اسلامی قانون کے لٹریچر کی بڑی بڑی الماریاں وجود میں آگئیں۔ ان الماریوں میں مشرق سے لیکر مغرب تک کی گوناگوں اجتہادی صلاحیتوں' تفقہ و استنباط کے نقرسے ہوئے ذوق اور تشریع و تقنین کے ملکہ سے بہرہ مند طبائع کے نتائج تحقیق جنہیں ہم موجودہ اصطلاح میں قانونی نظائر سے تعبیر کرتے ہیں مجموعوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اور صرف ایک ملک میں نہیں بلکہ قدیم دنیا کے تینوں براعظموں میں ان جواہرات کی بہتات ہے۔ ان مجموعوں میں جس کثرت سے ساتھ احکام و مسائل کو جمع کیا گیا ہے اور ان پر جسقدر سیر حاصل اور ہمہ پہلو بحثیں کی گئی ہیں اس کی نظیر دنیا کے کسی قانون لٹریچر نہیں ملتی۔ اس قانون ی لٹریچر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اگرچہ یہ مختلف ممالک کے مقننین اور ارباب اجتہاد کی کاوشوں پر مشتمل ہے۔ اور مختلف طبائع اور متضاد ذوق

Scanned with CamScanner

اس کی تخلیق کرتے رہتے ہیں۔ بایں ہمہ آج ہمارے سامنے وہ اس صورت میں ہے کہ گویا یہ ایک ہی دارالضرب کے سکے ہیں اور ایک ہی کاریگر کے ہاتھ نے ان کی تراش خراش کی ہے۔

جبہ کی قلت میرے راستے میں حائل ہے ورنہ میں کتب خانہ اسلام کی کم از کم ان اہم اور نفیس ترین کتابوں سے روشناس کراتا جو آج تک ہمارے عظیم المرتبت علماء کے قلم سے نکلی ہیں۔ اس لئے میں صرف یہ بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ کتب خانہ ترتیب و تدوین اور موضوع بحث کے لحاظ سے کتنی اقسام پر مشتمل ہے۔

تمام فقہی کتابوں اور قانونی مجلوں کو ترتیب کے لحاظ سے ہم سات قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم میں وہ مجموعے شامل ہیں جن میں احکام کو احادیث و آثار کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کی ترتیب احکام فقہیہ کی ترتیب کے لحاظ سے رکھی گئی ہے اور انہیں ابواب و فصول کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اور بعض ابواب کے آخر میں مولف نے احادیث و آثار کے ذکر کے بعد بعض ایسے احکام و وقائع بھی درج کر دیئے ہیں جو اس کے نزدیک اس باب کے آشباہ و نظائر (؟) کی حیثیت رکھتے ہیں یا ان پر اپنے فقہی قواعد کی رو سے حکم لگایا ہے اس طرح کے مجموعوں میں عمدہ ترین مجموعہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا ہے جسے امام موصوف نے "موطا" کا نام دیا ہے۔

دوسری قسم میں عام فقہی کتب داخل ہیں جن میں احادیث و آثار کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ صرف فقہی احکام کا ذکر ہے۔ اور مولف نے ان احکام کو ابواب و فصول کے ضمن میں اپنے فقہی مسلک کے مطابق بیان کیا ہے۔ اس طرز کی بہترین کتاب المبسوط ہے۔ یہ کتاب اپنے مواد و مطالب کے لحاظ سے بڑی بلند پایہ ہے اور چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اسے امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی نے تالیف کیا ہے۔ امام محمد نے ان میں لاکھوں کی تعداد تک مسائل جمع کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ہزاروں مسائل وہ ہیں جن کے جوابات امام ابوحنیفہ نے مستنبط کئے ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں۔ جن میں صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے اپنے استاد امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ کتاب کی تدوین میں مولف موصوف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کسی باب کو جب وہ شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے ان احادیث و آثار کو لاتے ہیں جو اس باب سے متعلق ان کے پاس ہوتے ہیں۔ پھر ان سے متخرج ہونے

والے مسائل بیان کرتے ہیں۔ اور بالعموم باب کا خاتمہ ان مسائل پر کرتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ نے اختلاف کیا ہے۔ احکام کی علتوں اور توجیہات کے ذکر سے یہ کتاب خالی ہے۔

تیسری قسم کتب آثار کی ہے جن میں مختلف مذاہب کے علماء نے اپنے مذہب کے ایسے تمام آثاذکرکر دیئے ہیں جن سے اس مذہب کے ائمہ نے احکام و فروغ میں استدلال کیا ہے۔ امام محمد کی کتاب الاثار اسی نوعیت کی ہے۔ انہوں نے اس میں وہ تمام آثار درج کر دیئے ہیں جن سے ائمہ احناف استدلال کرتے ہیں۔

چوتھی قسم ان کتابوں کی ہے جن میں مسائل پر علمی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے اور مولفین نے ان میں اپنے مخالفین کے مسالک و آراء کا تجزیہ و تحلیل کے ان کی کمزوریوں کو نمایاں کیا ہے اور اپنے مذہب کی صحت و صواب کے وجوہ واضح کئے ہیں۔ امام کی کتاب "الردعلیٰ اہل المدینہ" اسی طرز کی کتاب ہے۔ یہ انہوں نے اہل مدینہ کے رد میں لکھی ہے اور اس میں ان مسائل پر بحث کی ہے جن میں امام ابوحنیفہ نے اہل مدینہ کی مخالف کی ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "الام" میں اسکو روایت کیا ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر تعقیب کرکے اسمیں یا تو اہل مدینہ کی تائید کی ہے یا امام ابوحنیفہ کی رائے سے موافقت کی ہے یا دونوں کی تردید کی ہے۔ میری نگاہ میں قانونی نقد و جرح کے موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب سے قانون کے طالب علم کو نہ صرف مختلف فیہ احکام اور ان پر تنقید کرنے کا اسلوب ہی معلوم ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کتاب اس کے اندر قانونی نکتہ رسی کا ذوق بھی پیدا کر دے گی اور یہ بات فقہ و قانون کی دوسری کسی کتاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ہم آپ کے سامنے کتاب کا ایک باب نقل کرتے ہیں جس س پوری کتاب کا اندازہ معلوم کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اس باب میں اس امر پر بحث کی گئی ہے ایک شخص ایک دوسرے کو پکڑ رکھتا ہے اور ایک تیسرا شخص اسے قتل کر دیتا ہے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ قانون کی نگاہ میں پکڑ رکھنے والے کی حیثیت کیا ہے اور یہ واضح ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے بلکہ قاتل کے لئے معاون بنا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کا قول یہ ہے کہ پکڑ رکھنے والے پر قصاص نہیں ہے قصاص صرف قاتل پر ہے۔ البتہ پکڑ رکھنے والے کو اذیت ناک سزا دی جائے گی۔ اور اسے جیل میں ڈالا

جائے گا۔

اہل مدینہ کی رائے یہ ہے کہ پکڑ رکھنے والے کو اگر ارادہ قتل کا علم تھا تو دونوں پر قصاص لازم آئے گا۔

امام محمد بن حسن کہتے ہیں کہ "پکڑ رکھنے والے کو قتل کیونکر کیا جائے گا؟" جب کہ فعل قتل اس نے نہیں کیا"۔ امام محمد اپنی رائے پر تفصیلی بحث کرتے ہیں اور اپنے مخالفین سے استفسار کرتے ہیں کہ "اگر پکڑ رکھنے والا (ممسک) قاتل کے بارے میں سمجھتا ہو کہ اس کا ارادہ قتل کا نہیں ہے تو کیا تم لوگ اسے واجب القتل ٹھہراؤ گے۔ اگر تمہارا جواب یہ ہے کہ اسے قاتل کے ارادہ قتل سے لاعلم ہونے کی صورت میں قتل نہیں کریں گے بلکہ اسوقت قتل کریں گے جب کہ وہ یہ خیال (ممکن) رکھتا ہو کہ قاتل ارادہ قتل سے آیا تھا تو تمہارے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے نزدیک مقتول کو پکڑ رکھنے والا محض گمان کی بنا پر مستوجب قصاص ہے۔ حالانکہ گمان غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی"۔ (اس کے بعد امام محمد اس رائے کی غلطی کو متعدد مثالوں سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

"میں آپ حضرت سے دریافت کرتا ہوں کہ دلالت قتل کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی ایک شخص قاتل کو مقتول کو سراغ دیتا ہے اور قاتل جاکر اسے قتل کر دیتا ہے۔ دلالت کنندہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگر اس کا بس چل گیا تو ضرور اسے قتل کردے گا۔ کیا آپ حضرات پکڑ رکھنے والے پر قیاس کرکے دلالت کنندہ کو بھی واجب القتل ٹھہرائیں گے؟ اس طرح ایک شخص دوسرے شخص کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کو قتل کر دو اور وہ اسے جاکر قتل کر دیتا ہے تو کیا قاتل اور حکم دینے والا دونوں پر قصاص نافذ ہوگا؟ علیٰ ہذا لقیاس ایک شخص نے ایک عورت کو کسی دوسرے شخص کی خاطر محبوس رکھا اور اس نے اس کے ساتھ فعل زنا کا ارتکاب کیا تو کیا حابس اور زانی دونوں پر حد زنا جاری ہوگی اور محصن ہونے کی صورت میں دونوں کو رجم کیا جائے گا یا صرف وہ شخص مستحق حد ہوگا جس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے؟ جو حضرات واقعہ قتل میں ممسک (پکڑ رکھنے والے) کو بھی واجب القتل قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک تو واقعہ زنا میں حابس اور زانی دونوں مستحق حد ہونگے۔ ایسے ہی ایک شخص نے دوسرے کو شراب پلائی تو کیا صرف شارب پر حد خمر جاری کی جائے گی یا شارب اور ساقی دونوں اس کی لپیٹ میں آئیں گے۔ ایسے ہی ایک شخص کسی کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم فلاں پر

تہمت زنا لگائی اور وہ اس پر الزام ثابت نہ کر سکا ہو تو کیا صرف قاذف پر حد قذف کا اطلاق ہوگا یا دونوں پر۔ ہو گا اہل مدینہ کے خیال کی رو سے دونوں پر حد واجب ہونی چاہئے" (ان مثالوں کے بعد امام محمد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک اثر بروایت عطا بن ابی رباح نقل کرتے ہیں کہ) حضرت علیؓ نے ایک مقدمہ قتل میں جس میں ایک شخص قتل کا مجرم تھا اور دوسرا مقتول کو روکے رکھنے کا، یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے اور دوسرے کو حبس دوام کی سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ حالت قید ہی میں مر جائے"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قتل نفس کے ارتکاب پر سزا دی ہے اور اسی کے لئے قصاص مقرر فرما ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں قصاص کا حکم فعل قتل پر ہے۔ کتب علیکم القصاص فی القتلی (مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔ ومن قتل مظلوما" فقد جعلنا لولیه سلطانا" (اور جو شخص ظلم سے مارا گیا ہم نے اس کے وارث کو مطالبہ قصاص کا اختیار دیا ہے۔) دوسری آیت کے نزول کے وقت جو لوگ اس کے مخاطب تھے ان میں یہ معروف اور مسلم تھا کہ مقتول کا وارث صرف قاتل سے مطالبہ قصاص کا اختیار رکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ من اعتبط مسلما" بقتل فهو قودیده (جس نے کسی مسلمان کا ناحق خون بہایا تو اب اس کی جان مقتول کے ہاتھ میں ہے)۔ نیز ان آیات سے بھی واضح ہے کہ حد زنا اور حد قذف صرف زنا اور قذف کے جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر نافذ ہوگی۔ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة (زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو) والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتو اباربعة شهداء فاجلد وهم ثمانین جلدة (اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو) میں نے خلق خدا میں سے کوئی ایسا پیشوا صاحب امر نہیں دیکھا جس نے کسی شخص کو ایسے فعل یا ایسے قول (افتراء) پر حد ماری ہو جو اس نے خود نہ کیا ہو۔ یا اس کی زبان سے نہ نکلا ہو۔ اس لئے اگر ایک شخص قتل کرنے کا مجرم ہے اور دوسرا مقتول کو محبوس رکھنے کا تو قاتل کو فیصلہ الٰہی کے مطابق قتل کیا جائے گا اور پکڑ رکھنے والے کو سزا دی جائے گی۔ خدا کے فیصلے میں یہ جائز نہیں ہے کہ جب میں قاتل کو اس کے فعل قتل کی پاداش میں قتل کر دیتا ہوں تو محبوس رکھنے

والے کو اس کے فعل حبس پر قتل کر دوں۔ حالانکہ حبس اور قتل مختلف فعل ہیں۔ جس
نے حابس پر قصاص جاری کیا اس نے اللہ کے حکم کو بدل ڈالا۔ کیونکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ
کتب علیکم القصاص فی القتلٰی۔ تو قصاص یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ وہی
کچھ کیا جائے جو اس نے کیا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا اس نے قتل کیا ہے جس
کے بدلے میں اس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے گا یعنی قتل کیا جائے گا ——————
صرف حبس مقتول کا جرم ہے اور حبس معصیت ہے اس پر تعزیر تو دی جاسکتی ہے قصاص
جاری نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اگر حبس قتل کا قائم مقام ہو اس کی صورت یہ ہے کہ حابس نے
کسی شخص کو اس لئے محبوس رکھا کہ اسے قتل کیا جائے تو ایسی حالت میں اگر محبوس کو قتل
نہ بھی کیا جائے' حابس واجب القتل ہوگا کیونکہ اسکا یہ فعل قتل کی نیت پر مبنی تھا اور نیت
قتل نے اسے قتل کے مترادف کر دیا۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس اور محمد بن حسن کے قول
کے خلاف ہے۔

"محمد بن حسن نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات وار کئے ہیں بلاشبہ وہ تمام اعتراضات بلکہ ان
سے زیادہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پروارد ہوتے ہیں۔ لیکن محمد بن حسن بھی اس غلطی سے محفوظ نہیں
رہ سکے اور ایک دوسرے موقع پر وہ خود بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بیان کردہ خامیوں اور
نقائص میں سے اکثر ملوث ہوگئے ہیں۔ اور وہاں وہ تمام دلائل جو انہوں نے امام مالک
رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف قائم کئے ہیں۔ بعینہ ان کے خلاف قائم ہو جاتے ہیں۔ وہ موقع یہ ہے کہ امام
محمد کا قول ہے کہ اگر راہزنوں کی ایک جماعت نے مسافروں پر ڈاکہ مارا اور قتل و غارت کا
بازار گرم کیا اور اس جماعت کے ساتھ معاونین کا ایک گروہ ہے جو شور و ہنگامہ کو سن رہا ہے
لیکن قاتلین کو نہیں دیکھ رہا ہے تو قاتلین اور غیر قاتل معاونین دونوں تیغ زد کیا جائے گا۔
قاتلین جرم قتل کی وجہ سے مورد قصاص ٹھہریں گے اور غیر قاتل معاونین کو اس لئے قتل کیا
جائے گا کہ قاتلین نے ان کی قوت سے کشت و خون کا بازار گرم کیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں کہ میں نے محمد بن حسن سے دریافت کیا کہ آپ کو اس بارے میں کوئی روایت بھی ملی
ہے؟ انہوں نے کسی روایت کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے کہا' آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک کمزور
شخص ایک طاقت ور شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے اور وہ ایک دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ اگر
میں ناتواں نہ ہوتا تو فلاں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ طاقتور شخص اس سے کہتا ہے کہ چلو

میں تمہیں اس کی مشکیں باندھ دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسکو مشکیں کس دیتا ہے اور اس کے سینہ پر سوار ہو کر اسکا گلا ناتواں شخص کے آگے کر دیتا ہے اور وہ اسے چھری سے ذبح کر دیتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ——— اہل مدینہ کے مسلک کے برخلاف ——— صرف ذبح کرنے والے پر حکم قتل لگائیں گے۔ کیونکہ فعل قتل اس کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔ اور اس شخص کی مدد کی جانب توجہ نہیں دیں گے جو قتل کا سبب تھا کیونکہ فعل اور سبب فعل دو مختلف چیزیں ہیں۔ خدا صرف فعل پر انسانوں سے مواخذہ کرتا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں قتل پر کس کا تعاون زیادہ موثر اور کارگر ہے۔ کیا راہزنوں کے لئے مددگار گروہ کا یا ناتواں شخص کے لئے طاقتور کا؟ پھر آپ یہ فرماتے ہیں کہ اگر راہزنوں کا معاون گروہ ڈاکوؤں کو قتل و غارت کرتے دیکھ رہا ہو اور ان کو مدد پہنچا رہا ہو لیکن اگر وہ آواز نہیں سن رہا ہے تو مستوجب قتل نہیں ہوگا۔ بلکہ مستوجب تعزیر ہوگا۔ تو میں کہتا ہوں کہ آواز سن لینے کی صورت میں کیا خصوصیت پیدا ہوگئی ہے کہ آپ اس پر حد قصاص کر دیتے ہیں اور فعل سماعت کو فعل قتل کے برابر شمار کر لیتے ہیں؟ اس پر امام محمد بن حسن کہنے لگے کہ ”آپ کے ساتھ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ بھی معاون گروہ کے بارے میں میری رائے سے متفق ہیں“۔ میں نے کہا ”جب آپ کا قول حجت نہیں ہے تو امام مالک کے اتفاق سے آپ کا قول دوسروں کے لئے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ یا خود ہمارے ساتھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اسی قسم کا قول بھی کیسے حجت بن سکتا ہے؟ “تو کیا آپ کی یہ رائے نہیں ہے؟“ میں نے کہا نہیں' اور نہ ہی میں کسی معقول آدمی کو اس رائے کے حق میں پاتا ہوں۔ ایسی رائے رکھنے والے علم و عقل کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے“۔

الغرض یہ پوری کتاب اسی طرز پر ہے اور اس کا ہر مسئلہ اس قسم کے دلچسپ اور معنی آفریں مناقشات اور فریقین کے پرزور استدلالات کا مرقع ہے۔ ہمارے سرمایہ قانون میں یہ کتاب بڑی قدر و قیمت کی حامل ہے اور اس لائق ہے کہ قانون کا ہر طالب علم اور اس فن سے ممارست رکھنے والا ہر شخص اس کے مطالعہ سے محروم نہ ہونا چاہئے۔

پانچویں قسم ان کتابوں کی ہے جن میں مختلف مدارس فقہیہ کے احکام و مجتہدات کا موازنہ کیا گیا ہے۔ بعض کتابوں میں یہ موازنہ تمام فقہی مسلکوں کے مابین کیا گیا ہے اور بعض میں صرف دو یا تین مسلکوں تک محدود ہے۔ اس قسم کی کتابوں کی نوعیت وہی ہے۔ جو جدید علم قانون

میں قانون کے تقابلی مطالعہ کی کتابوں کی ہے۔ امام محمد کی موطا کو اس نوعیت کے قانونی لٹریچر میں سرفہرست رکھا جاسکتا ہے۔ مولف موصوف نے یہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ امام مالک کی موطا کا اسمیں جائزہ لیا ہے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ موطا کی احادیث کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مخالف یا موافق عمل نقل کرتے ہیں اور اگر امام صاحب کا عمل ان کے خلاف ہو تو وہ وجوہ اختلاف پر بحث کرتے ہیں۔ عام فقہائے کرام میں شروع سے قانون کے تقابلی عمل میں بڑا شغف و انہماک اور اہتمام پایا جاتا ہے۔ بلکہ اس نوع علم میں ان کی دلچسپیوں کا یہ حال رہا ہے کہ "علم الاختلافات" کے نام سے فقہ کے اندر ایک مستقل فن وجود میں آگیا ہے۔ جس میں مذاہب اربعہ کے آراء و اقوال کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ وجوہ اختلاف اور مآخذ استدلال کی تحقیق کی جاتی ہے اور اس کے حسن و قبح پر بحثیں کی جاتی ہیں۔ اس فن میں سب سے زیادہ جس کتاب نے شہرت حاصل کی ہے وہ "بدایۃ المجتھد" ہے۔ جو قرطبہ کے قاضی فیلسوت اسلام ابن رشد کی تالیف ہے۔

فن قانون پر بے نظیر تالیفات میں سے چھٹی قسم میں وہ عظیم ذخیرہ کتب آتا ہے جن میں کسی ایک مذہب کے آراء و مسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ اور ان مسائل کے ساتھ ساتھ اس مذہب کے اصول و مبادی کا تذکرہ بھی ہے۔ اور جہاں دلائل و شواہد کی ضرورت ہے وہاں دلائل و شواہد بھی لائے گئے ہیں۔ اور حسب اقتضاء مخالف آراء پر تبصرہ و تنقید بھی کی گئی ہے۔ ہمارے علم میں اس نوع کا سب سے اعلیٰ نمونہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الام" ہے۔ اس عظیم القدر کتاب کا ایک اقتباس ہم امام محمد کی "الرد علیٰ اہل مدینہ" کے ذکر میں آپ کے سامنے پیش کرچکے ہیں۔ اسی اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک کے اثبات و احقاق میں اور اپنے اقوال کے دفاع میں کیا اسلوب بیان اور طرز بحث اختیار کرتے ہیں۔

ساتویں اور آخری قسم کے دامن میں فقہ کی اصولی لٹریچر آتا ہے۔ یہ لٹریچر فلسفیانہ و تعمق، فہم و بصیرت، اور فکر و نظر کے ان تحیر خیز خزانوں سے عبارت ہے جنہیں مجتہدین اور فقہائے کرام نے علم اصول فقہ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب سب کے نزدیک شریعت کے مآخذ مصادر کیا ہیں۔ اس کا طریقہ اجتہاد کیا

یہودیت سے اسلام تک

محترم مختار فارانی

"اسلام میں خوش آمدید الحمدللہ' بہن' خوش آمدید!"

یہ کہتے ہوئے میری نئی بہنیں مجھے گلے سے لگاتی اور چومتی ہیں۔ ایک معمر اور محترم افغان خاتون تو میرے ایک رخسار کے تین بوسے لیتی ہے۔ اس کی آنکھیں چمک رہی ہیں' منہ میں دانت نہیں مگر مسکراہٹ میرے لئے سحر انگیز ہے۔ زبان کی دیوار نے ہمیں الفاظ کے تبادلے سے روک دیا لیکن اظہار محبت کے لئے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس طرح میرے اس روحانی سفر کے آخری مرحلے کا آغاز ہوا جو مجھے یہودیت سے "یہود برائے مسیح" (jew for jesus) کے مختصر دور میں لایا۔ اس کے بعد ایک بار پھر میں نے یہودیت آزمائی۔ پھر طویل خشک عرصہ ایسا گزرا جس کے دوران میں کسی مذہب پر عمل پیرا نہ تھی اور نہ مذہب کے اندر سچائی ڈھونڈنے میں سرگرم۔ میری زندگی کا یہ خلا اس وقت ختم ہوا جب میں نے "بدھ مت کے تین جواہر" میں پناہ لی۔ یہ مرحلہ پانچ برس پر محیط رہا۔ کم و بیش دو سال پہلے میری ملاقات ایک غیر معمولی انسان سے ہوئی جس نے اسلام کو مجھ سے متعارف کرایا لیکن پہلے میں آپ کو تھوڑا سا ماضی میں لے جانا چاہوں گی۔

میں نے مراکش میں یہودی والدین کے ہاں پرورش پائی۔ میرے دادا' دادی اور میرے والدین گھر میں یہودی روایات پر سختی پر عمل پیرا نہیں تھے۔ ہم سال میں تین بڑی چھٹیاں مناتے ہیں۔ ہر ہفتے میں اپنے دادا دادی کے ہاں "سبت" منانے جاتی لیکن وہاں سبت کے قوانین کی زیادہ پابندی نہ ہوتی۔ میرے والد اور چچا تو ظہرانے کے فوراً بعد ہی سگریٹ سلگا لیتے۔ صومعہ (SYNAGOGUE) میں مقدس دنوں کے دوران میں اپنے والد اور دادا کے درمیان بیٹھنا پسند کرتی اور سفید اور نیلی دعائیہ چادروں میں لپٹے لوگوں کو غنائیہ دعا کے ساتھ ساتھ جھومتے دیکھتی۔ سب سے زیادہ مجھے شوفار (مینڈھے کا سینگ) نامی گیت سننا پسند تھا۔ اس کی اور ہی دنیا کی آواز میرے رونگٹے کھڑے کر دیتی' تاہم گھر میں مذہب ایک بڑے کھانے کے خاندانی اجتماع سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

مصر سے یہودیوں کی خلاصی ہونے کی خوشی میں برپا ہونے والی ضیافت "پاس اوور" کے موقع پر میرے دادا خروج (EXODUS) کی کہانی پوری پڑھ کر سناتے...... کس طرح آل فرعون

Scanned with CamScanner

(قبطی) بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے، کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں مصریوں کی غلامی سے چھڑا کر لائے اور کس طرح فرعون منفتاہ اور اس کا لشکر تعاقب کرتے ہوئے بحیرہ قلزم میں غرق ہوگیا۔ لیکن اس وقت میں اتنی چھوٹی تھی کہ اس کہانی میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ میں اس تقریب میں بس کھانا پسند کرتی تھی۔ بعد میں جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو ان کا فریضہ بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے، والد نے سنبھال لیا مگر وہ بھی پوری کہانی نہیں پڑھتے تھے۔ کپور (کفارے کا دن) کو روزہ رکھتے اور میں سمجھتی تھی کہ روزہ رکھنے کا تصور گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ میں ہمیشہ یہ کہہ کر مزاح پیدا کرتی کہ ایک دن تو میرے اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے بھی کافی نہیں۔ یہودیت ایک مذہب تھا جسے میں اپنا کہہ سکتی تھی لیکن یہ فقط رسوماتی، کھوکھلا اور روحانیت سے خالی تھا۔ اس میں روزمرہ کی عبادت تھی نہ اجتماعی، اور اللہ کا ذکر تک نہ آتا تھا۔ لیکن میرے اندر ان ابتدائی برسوں ہی میں ایک نوزائیدہ روحانیت فروزاں تھی۔ اتوار کو گرجے کی گھنٹیاں جیسے ہی سنائی دیتیں، میرے قدم بڑے سے سفید کلیسا کی طرف اٹھ جاتے۔ میں شوق سے اندر چلی جاتی اور دیکھتی کہ کیتھولک کیسے کیا کرتے ہیں۔ میں اپنے ہاتھ "مقدس پانی" میں ڈبوتی اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتی اور رکوع میں چلی جاتی۔ موذن کی سحر انگیز آواز آتی تو میں بالکنی میں جاکر لوگوں کو نماز کے لئے صفیں درست کرتے دیکھتی۔ جب کبھی میں بعض عیسائی راہبات (NUNS) کو لمبے سیاہ چغے پہنے دیکھتی تو میں بھی انہیں کی طرح عبادت کرنے کی متمنی ہوتی۔ اس پس منظر میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے اللہ اور سچائی کی تلاش میں اپنی زندگی بسر کی ہے۔ میری حالت اس اجنبی کی سی تھی جو کسی انجانے شہر میں آپہنچا ہو اور کبھی ایک چوک میں رکتا ہو اور کبھی دوسرے میں۔ میں بھی کبھی منزل کے قریب آپہنچی تھی اور کبھی دور ہو جاتی مگر اس عزم سے سرشار تھی کہ آخر کار میں راستہ پالوں گی.....

"جسے اللہ ہدایت دینا چاہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔" (القرآن ۔ 125:6)

1966ء میں ہم امریکہ واپس آئے۔ میری عمر انیس برس تھی۔ مجھے یہاں ایک بڑے ثقافتی صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں امریکہ میں پہلی بار ایک معمر پھوپھی کی تدفین پر صومعہ میں داخل ہوئی تو مجھے شرمساری نے آلیا۔ میں دعا خواں اور ربی کے نامانوس لہجے پر اپنی ہنسی روک نہ سکی۔ عبرانی بولنے کا یہ انداز کس قدر مضحکہ خیز تھا۔ اور پھر میری

Scanned with CamScanner

تمام عمر زاد لڑکیوں کے بالغ ہونے کی تقریبات "بیت متسوا" (Mitzvah Bat) منائی جانے لگیں۔ مراکش میں یہ نام کبھی نہیں سنا تھا' للذا مجھے اور میرے ابا کو اس کے تصور ہی پر ہنسی آئی۔ میں اپنی حد تک "بیت متسوا" کی خواہاں نہ تھی' تاہم انہیں اس تقریب کی تیاری کے لئے عبرانی اور تورات کے سبق لیتے دیکھتی تو مجھے ان پر رشک آتا۔

1968ء کی تعطیلات گرما میں ایک ماہ کے لئے میں اسرائیل پہنچی تو مجھے وہاں کی ہر شے سے محبت ہو گئی۔ اسرائیل' مراکش ہی کی طرح تھا' للذا میں نے واپس آکر وہاں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ والد نے کہا: "ہرگز نہیں۔" میں نے تہیہ کیا خواہ کچھ بھی ہو' میں پھر آؤں گی' چنانچہ 1976ء میں لوٹ کر اسرائیل آئی۔ میں یہاں عبرانی سیکھنے اور ایک "کیبوٹس" (KABBUTZ یہودی اجتماعی فام) پر کام کرنے لگی۔ میں نے اس امید پر ایک مذہبی کیبوٹس کا انتخاب کیا کہ اپنے مذہب کی تعلیمات جان سکوں لیکن تین برس بعد عالم یاس میں اسے چھوڑنا پڑا۔ میں نے عبرانی سیکھی اور اوامر و نواہی' کھانے پینے کی ضابطوں اور مقدس دنوں کے بارے میں بہت کچھ جانا لیکن یہودیت کے متعلق کچھ نہ سیکھ پائی۔ میں سمجھنا چاہتی تھی کہ آخر ہم یہودی احباء اللہ (اللہ کو پیارے) کس طرح ہیں اور اس "منتخب قوم" سے دنیا میں نفرت کیوں کی جاتی رہی ہے اور اسے ابتلا سے کیوں گزرنا پڑا۔

کیبوٹس سے رخصت ہو کر میں فلسطین کے طول و عرض میں گھومتی پھرتی' جزیرہ نما سینا کے جنوبی سرے تک گئی' الطور میں ٹھہری جو بھوتوں کا مسکن لگتا تھا جسے اس کے باشندے چھوڑ کر جا چکے تھے (اسرائیلی قبضے کی وجہ سے) اور سینا کے مغربی ساحل پر شمال کی جانب ابوردیس کا سفر کیا۔ یہ تمام سفر میں نے فوجی جیپوں' بسوں اور ٹرکوں وغیرہ پر کیا۔ عرب لڑکے مجھے حیرت سے دیکھتے کہ یہ تنہا لڑکی اس ریگستان میں کیا کر رہی ہے۔ ایک مرحلے پر میں نے گھر واپسی کا ارادہ کیا مگر میرے والد نے رقم نہ بھیجی اور میں نہ جا سکی۔ میں ان کی خواہش کے برعکس اسرائیل آئی تھی' اس لئے اب وہ مزید میری کفالت کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے جواب ارسال کیا: "تیر کر گھر آجاؤ۔" مجھے بڑا صدمہ ہوا۔

اور اس وقت میری آنکھیں کھل گئیں جب کچھ یسوع کے دیوانوں سے میرا واسطہ پڑا۔ وہ اپنے آپ کو "یہود برائے یسوع" کہہ رہے تھے۔ میں کچھ جاننے کے لئے ان کے ساتھ گئی۔ وہ عہد نامہ عتیق کی بعض آیات سے مجھ پر ثابت کرنا چاہتے تھے (حالانکہ مجھے قائل کرنے کی

چنداں ضرورت نہ تھی) کہ عیسیٰ یسوع کی آمد اور جیسے ان کا استقبال اور ان سے برتاؤ ہوا' یہ سب حضرت موسیٰ کی پانچ کتب میں بیان ہوا ہے۔

آخر کار میں گھر لوٹ آئی اور اپنے والدین سے "یہود برائے یسوع" کا تذکرہ چھیڑا تو انہیں قدرتی طور پر اسے قبول کرنے میں دقت ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے التجا کی کہ میں یہودیت کو ایک موقع اور دوں۔ یہاں سے میری زندگی کی اس خشک دور کا آغاز ہوا جو بارہ سال تک طول کھینچ گیا۔ مجھے اپنا ذہن صاف کرنے کے لئے مہلت درکار تھی۔ مجھے فخر ہے کہ اپنی بعض کم خوش نصیب سہیلیوں کے برعکس میں کوریائی "سن مایئنگ مون" کے پیروکاروں (MOONIES) اور ہرے کرشنا جیسے فرقوں کے پیچھے کبھی نہیں گئی۔

1986ء میں ایک مشنری نے میری بیٹی کو ایک پمفلٹ تھما دیا جس میں "شو شو بدھ مت" کے بارے میں کچھ لکھا تھا۔ میں بدھ مت کے متعلق بہت کم جانتی تھی مگر اتنا ضرور پتہ تھا کہ وہ لوگ بیرون ملک مبلغ نہیں بھیجتے۔ میں ان کے دام میں نہ آئی' تاہم ایک بدھ مرکز ڈھونڈ اور اس مذہب کا سراغ پانے میں کھو گئی۔ پانچ سال تک میں بدھ مت پر عمل کرنے میں کوشاں رہی' اس میں غور و فکر کیا اور فرقہ "مہایان" کی پیروکار بنی جس کے معنی ہیں۔ "عظیم گاڑی" اس دوران میں تبتی یا "وجرایاں" فرقے سے متعارف ہوئی جس کا لغوی مفہوم ہے "ہیرا گاڑی" جو تمام رکاوٹیں پار کرتی چلی جاتی ہے"۔

یہودیت اور عیسائیت جیسے وحدانیت کے علمبردار مذاہب سے بیزار ہونے کے بعد خدائے مطلق کی تلاش میں' بدھ مت کی طرف مائل ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ تو مذہب سے زیادہ ایک فلسفہ حیات ہے۔ اس میں گناہ (اور جرم) کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ہر بات بسبب اور نتیجہ ہے' عمل اور رد عمل ہے۔ انسان اپنے اعمال کے لئے بڑی حد تک ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔ وہ خود اپنا جج اور منصف ہے۔ مجھے بتوں کے آگے جھکنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ دیوتاؤں کے نمائندے ہونے کے بجائے مہاتما بدھ کی فطرت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ لیکن جب میں فرقہ "وجرایان" کے اندر گہرائی میں گئی تو مجھے درجنوں دیوی دیوتاؤں' پیچ در پیچ مذہبی رسوم' مشکل وظائف اپنانے کے لئے طویل منتروں اور تبتی زبان سے واسطہ پڑا۔ بتدریج میں ایسے مرحلے میں داخل ہو گئی جہاں کئی سابق یہودی اور سابق عیسائی (جن میں کئی راہب اور راہبات ہوتے ہیں) بدھ مت کے مطالعے اور عمل

Scanned with CamScanner

کے دوران کہیں بعد میں پہنچے ہیں۔ میں اپنے دل میں سمجھتی تھی کہ اگر مہاتما بدھ ایک بار پھر دنیا میں آجائے تو وہ یہ دیکھ کر شدید صدمے سے دوچار ہوگا کہ اس کی تعلیمات کا کیا حشر ہوا ہے اور کس طرح کروڑوں بدھ مت کے پیروکار اسے خدا جان کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ پیپل کے نیچے بیٹھ کر جو گیان دھیان کرتا رہا تو کیا اس کا مقصد یہ تھا جس پر آج اس کے پیروکار عمل پیرا ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ یہ دیکھ کر ناخوش ہوں گے کہ ان کے پیروکار کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔ میں جو مسلمان ہوئی تو صرف اس لئے کہ میں اسلام (تمام ادوار اور تمام زمانوں کے لئے ایک عقیدہ اور ایک ضابطہ حیات اور مسلمانوں میں فرق کر سکتی تھی۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا' میری ملاقات ملائیشیاء کے ایک طالب علم سے ہوں جو تین اور طالب علموں کے ساتھ میرے مکان سے متصل آٹھہرا تھا۔ ان میں سے ایک کچھ عرصہ پہلے مجھے سے ایک ہیلتھ فوڈ سپر مارکیٹ میں بھی ملا تھا جہاں وہ جز وقتی کام کرتا تھا۔ جب چاروں ہماری ہمسائیگی میں آگئے تو وہ علیک سلیک کرنے آیا۔ اس کے بعد میں دوسروں سے ملی اور ہم نے ایک دوسرے کو عشائیے پر بلایا۔ وہ میرے گھر میں بدھ مجسمے اور بت دیکھ کر بڑے بدمزہ ہوئے لیکن ان میں سے ایک اس فکر میں پڑ گیا کہ یہ عورت ایک یہودن' بدھ مت کی حلقہ بگوش کیسے ہوگئی۔ ہم کئی گھنٹے گفتگو کرتے رہے اور بہت جلد مجھے یہ احساس ہوگیا کہ میں اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ ہم نے سلمان رشدی' خمینی اور اسلام میں عورتوں پر مبینہ جبر جیسے موضوعات پر باتیں کیں۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ بعض اسلامی ممالک میں اگرچہ خواتین واقعی کسی قدر جبر کا شکار ہیں مگر دوسرے اسلامی ممالک میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اسلام کو مجھ پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کی بلکہ بتدریج آہستہ آہستہ اسلام کی خوبیاں آشکار کردیں۔ گفتگو میں اسلامی پردے "حجاب" کا بھی ذکر آیا۔ میرا تصور یہ تھا کہ مسلمان مردوں کو عورت کی کشش بے قابو اور دیوانہ بنا دیتی ہے' اس لئے مسلمان عورت کو ان سے محفوظ رہنے کے لئے پردے میں لپٹی رہنا چاہئے۔ اس مرد شریف نے قرآن سے حقائق کھول کر بیان کئے اور اس سلسلے میں اپنے خاندان کی مثالیں دیں۔ میں سمجھتی تھی کہ مسلمان عورت کو اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق حاصل نہیں مگر اب معلوم ہوا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے' اس نے بڑے لطیف الفاظ میں بتایا کہ اس کے لئے یہ کس قدر

مسحور کن ہے کہ وہ اپنی بیوی کو گھر سے باہر غیر مردوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے مناسب لباس پہنے دیکھے اور گھر کے اندر اس کے ٹخنوں کی خوبصورتی، اس کے گول بازوؤں کی ملائمت اور نگاہوں سے اوجھل اس کی حسین گردن کی تصور اور اس کی تمنا میں کھویا رہے۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا کہ مغرب میں خواتین کے یہ اعضاء دیکھنے کی چیز خیال کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ میں نے مغربی لباس اور مغربی طور اطوار پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی تو احساس ہوا کہ اپنی تمام تر ذاتی آزادی سے لطف اندوز ہونے کے باوجود ہم خوش نہیں، ہم سب اداس اور زخمی روحیں ہیں جنہیں ذرائع ابلاغ نے بے وقوف بنا کر حضرت ڈالر کی قوت خرید کی پوجا کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ ہزاروں ڈالر نسوانی جسم کو "خوبصورت" بنانے پر صرف کئے جاتے ہیں خواہ اس میں ان کا شرف انسانیت ہی کیوں نہ چھن جائے۔ اور جو عورتیں ٹپ ٹاپ کے سانچے میں فٹ نہیں بیٹھتیں کیونکہ وہ بہت موٹی یا بہت پتلی ہوتی ہیں وہ زندگی کے عذاب سے دوچار ہو کر مریض بن جاتی ہیں۔

میرا یہ مونس و غمخوار بھی حقیقی اسلام کی عملی شکل کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ اسے شدید احساس تھا کہ کس طرح برسراقتدار لوگوں نے بہت کچھ اپنے مفادات کے مطابق ڈھال لیا ہے لیکن اس کا پس منظر مجھ سے مختلف تھا۔ اس کے خاندان والے اکٹھے نماز ادا کرتے تھے۔ وہ شام کو مل بیٹھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے۔ مذہب ان کی زندگی کا محور تھا۔ میں اس پر بہت رشک کرتی۔ میں نے اسلام کے بارے میں گمراہ کن تصورات کا بھاری بوجھ اٹھا رکھا تھا جسے اس نے ایک ایک کر کے میرے سر سے اتار دیا۔ یہ کام اس نے مثالوں سے، اپنے سلوک سے اور قرآن کے صفحات سے رہنمائی کرتے ہوئے کیا۔ وہ نماز پڑھتا، میں اسے دیکھتی رہتی۔ بعض اوقات وہ مجھے دیکھتا جبکہ میں گیان دھیان میں لگتی ہوتی۔ کبھی کبھی ہم دیہی علاقوں میں کسی پہاڑی یا دریا کنارے پر جا نکلتے اور وہاں اپنی عبادت بجا لاتے۔

میں مزید ایک برس تک بدھ مت کی حلقہ بگوش رہی۔ اس دوران مطالعہ اور صرف مطالعہ میرا اوڑھنا بچھونا تھا۔ میں نے اسلام، دنیائے عرب اور شرق اوسط کی سیاسیات پر بے شمار کتابیں اور جرائد چاٹ ڈالے۔ میں نے ہارڈفورڈ سیزی کے مطالعہ اسلام کا پروگرام سنا اور وہاں عربی پڑھنے جا پہنچی۔ وہیں پروفیسر ابراہیم ابوربیع سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنے لیکچر سننے کی دعوت دی۔ سیزی کی مطبوعہ "دی مسلم ورلڈ" میں پہلی بار میں نے علی شریعتی کا نام

پڑھا اور پھر تلاش کرکے ان پر ان کی تصانیف پڑھیں۔ ان کی تحریروں نے مجھے بڑا متاثر کیا۔ مجھے ان کے دنیا سے اٹھ جانے کا افسوس ہوا۔ اب میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنا شروع کیے۔ انہیں اس پر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی' تاہم کسی نے مجھ سے کبھی نہ پوچھا کہ میں کب اسلام قبول کر رہی ہوں۔ وہ مجھے اپنی برادری کی رکن جان کر یہ احساس دلاتے کہ انہیں مجھ سے انس اور ہمدردی ہے' خواہ میں یہودی ہوں یا عیسائی۔

آخر کار فیصلہ کن موڑ آگیا جب مجھے ایک ملائیشی بھائی نے ایک کتاب پڑھنے کو دی۔ اس نے گریجویشن کی تھی اور اب گھر لوٹ رہا تھا۔ یہ کتاب تھی مورس بکائی کی "دی بائبل' دی قرآن اینڈ سائنس" یہ میرے لئے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا فیصلہ کرنے میں آخر محرک ثابت ہوئی۔ اس کتاب نے تمام باقی سوالوں کا جواب دیا جو اسلامی عقیدے اور سائنس' ٹیکنالوجی اور ماحول کے حوالے سے اسلام کے متعلق میرے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔

ایک مسلمان بھائی نے مجھے قرآن کا تحفہ دیا تھا۔ اب مورس بوکائی کی کتاب سے میرے اندر قرآن پڑھنے کا شوق امنڈ آیا تو میں التزام سے اس مقدس کتاب کی تلاوت کرنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگی اور ایک بار جب میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہر طرف سے مجھے مدد ملنے لگی۔ عرصہ پہلے میں نے اپنے دوست سے کہا تھا کہ مجھے نماز پڑھنا سکھا دے لیکن اس نے ہامی نہ بھری تھی وہ مجھ سے بہتر جانتا تھا کہ ابھی میں اس کے لئے تیار نہ تھی۔

اپنی حد تک میں کچھ عرصے سے مسلمان ہو چکی تھی' تاہم دنیا کے سامنے میں نے 9 فروری 1992ء کو اسلام قبول کرلیا۔ اس نعمت سے بہرہ ور ہونے پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتی ہوں۔ الحمدللہ!

(بشکریہ الفاروق)

قومی املاک میں خیانت اور اس کے اثرات

دارالافتاء • مفتی غلام الرحمٰن

واپڈا کے ذمہ دار اشخاص سے شکایت کے باوجود جب ظلم و زیادتی کا ازالہ نہ ہو۔ آئے دن صارفین پر ظالمانہ ٹیکس عائد کر کے خرچ شدہ بجلی کی اصلی قیمت سے زیادہ رقم وصول کی جاتی ہو۔ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں بجلی کا میٹر بند کرے یا اس کی رفتار کم کرے تاکہ بجلی کے اخراجات میں اس ظلم و زیادتی کا ازالہ ہو جو ٹیکس یا دوسرے ناموں سے صارفین سے جبری طور پر رقم وصول کی جاتی ہے۔ کیا از روئے شرع اپنے حق کے وصول کے لئے یہ طریقہ اپنانا جائز ہے یا نہیں؟

نیز ایسی بجلی سے تیار کئے ہوئے کھانے پینے کی اشیاء کا استعمال یا واٹر پمپ سے نکالے ہوئے پانی پر وضوء کر کے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

آفتاب عالم متعلم جامعہ عثمانیہ پشاور

الجواب وباللہ التوفیق

بجلی قانوناً حکومت کی ملکیت ہے۔ اجتماعی مفادات اس سے وابستہ ہیں۔ آئین کے دفعہ 161 کی شق الف اور ب کی رو سے بجلی اور قدرتی گیس متعلقہ صوبوں کے ذرائع آمدنی شمار کئے گئے ہیں شرعاً بھی معادن باطنہ یعنی وہ دھات جو پوشیدہ ہوں۔ جن کو بروئے کار لانے یا ان کو قابل استفادہ بنانے کے لئے طویل محنت کی ضرورت پڑے۔ اگر حکومت اس کو قابل استفادہ بنائے۔ یا نجکاری کی صورت میں کوئی شخص یا ادارہ یہ فریضہ سرانجام دے۔ یا بطور جاگیر (ایک قول کی رو سے جب گنجائش ہے) کسی کو دے تو ایسی اشیاء پر ادارہ یا متعلقہ شخص کی ملکیت ثابت ہو کر جملہ مالکانہ حقوق کے لئے محل بن جاتی ہیں۔ قاضی ابو یعلی محمد بن حسین الفراء الحنبلی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وفی حکمه قولان احدهما انه اقطاع تملیک یصیر به المقطع مالکا رقبة المدن کسائه امواله فی حال عمله وبعد قطعه یجوز له بیعه فی حیاته و ینتقل الی ورثته بعد موته والقول الثانی انه اقطاع ارفاق

لایملک رقبة المعدن ویملک به الارتفاق بالعمل فیه مدة مقامه علیه ولیس لاحد ان ینازعه فیه ماقام علی العمل فاذا ترکه زال حکم الاقطاع عنه وعاد الی حال الاباحة فاذا احیی مواتا باقطاع اوغیر اقطاع فظهر فیه بالاحیاء معدن ظاهر او باطن ملکه المحی علی التابید کمایملک ماستنبطه من العیون واحتفره من الابار (الاحکام السلطانیه / 198)

بجلی تو ایسی چیز ہے۔ جس کی تیاری میں حکومت یا متعلقہ ادارہ کو زر کثیر خرچ کرنا پڑتا ہے وسائل اختیار کرکے معرض وجود میں آنے سے یہ حکومت کی ملکیت شمار ہوتی ہے۔ ملکی قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے بجلی حکومت صارفین پر باقاعدہ قیمت مقرر کرکے فروخت کرتی ہے۔ چنانچہ بجلی کے کنکشن لگواتے وقت صارف کو جملہ قواعد و ضوابط کی پابندی کا اقرار کراکے بجلی دی جاتی ہے۔ یہ حکومت اور صارف کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہے۔ جس کی پابندی صارف سے کروائی جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً اضافی اخراجات یا ملکی حالات سے متاثر ہو کر بجلی کی قیمت میں جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ بھی حکومت قیمت کا حصہ شمار کرکے صارف سے وصول کرتی ہے۔ اندریں صورت صارف کو ان جملہ اخراجات کی ادائیگی کی پابندی قبول کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر کنکشن منقطع معاہدہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ جو دوبارہ حصول کے لئے تجدید یا معاہدہ کا محتاج ہے۔ ایسی حالت میں اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ حکومت اور صارف کے درمیان خرید و فروخت کا ایک مقررہ معلوم اور متعین معاملہ ہے۔ ایسی صورت میں اضافی اخراجات کو ظلم جان کر اس کے عوض بجلی چوری کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی ہے۔ صارف کے لئے اس حد تک استفادہ کا حق حاصل ہے۔ جو معاہدہ کی رو سے اس کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر ایک صارف حکومت کی مقررہ قیمت پر راضی نہ ہو۔ تو طے شدہ معاہدہ ختم کرکے بجلی کے بغیر زندگی گزار سکتا ہے۔

بسا اوقات محکمہ صارفین سے ایسے اضافی خرچ شدہ یونٹ وصول کرتا ہے۔ جو کسی نے چوری کی ہو۔ محکمہ اپنے حساب کی تکمیل کے لئے یہ بوجھ جملہ صارفین پر ڈال دیتا ہے۔ یہ اگرچہ صریح ظلم ہے۔ لیکن اس میں بھی صارف کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ صرف مقررہ حد تک تجاوز کرکے یعنی صرف اتنی چوری کرے جو اس سے ظلماً قیمت لی گئی ہے۔ اس کے پاس ایسا

پیمائش حساب نہیں جس سے اسکی مقررہ حد معلوم ہو۔ عموماً" کئی یونٹ کے اضافی بوجھ کی ناگواری کی وجہ سے صارف کا رد عمل سخت گیر ہوتا ہے۔ جس سے وہ کئی گنا زیادہ بجلی چوری کر لیتا ہے۔

نیز اس میں یہ بھی ضروری نہیں۔ کہ اس کی چوری کا نقصان اس کو پہنچے جس نے اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے۔ بلکہ محکمہ عموماً" اس کی چوری کے اخراجات دوسرے لوگوں سے وصول کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے۔ کہ ایک شخص سے کوئی جوتیاں چوری کرے۔ وہ اسکا بدلہ کسی دوسرے سے لیکر اپنا کوٹہ پورا کرے۔

بجلی حکومت کی ملکیت شمار ہو کر جس طرح اس کی چوری قانوناً" جرم ہے۔ شرعاً" بھی یہ قومی املاک میں خیانت کے مترادف ہے۔ جو کسی انفرادی شخص کے مال میں خیانت کرنے سے زیادہ جرم ہے۔ کیونکہ انفرادی ملکیت میں خیانت کرنے کے بعد اگر کہیں توبہ کی توفیق نصیب ہو۔ تو اس کا ازالہ ممکن ہے۔ کہ صاحب حق معلوم ہو۔ اس کا اپنا حق پہنچا کر ذمہ داری فارغ کرے۔ اور یا اس سے معافی کی درخواست کرے۔ لیکن اجتماعی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے میں یہ صورتیں ممکن نہیں رہتیں۔ چنانچہ معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ کسی جنگ میں ایک شخص نے مال غنیمت سے اون کا کچھ حصہ چھپا کر اپنے پاس رکھا۔ اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو اس شخص نے وہ اون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے یہ کہکر اس شخص کو واپس کر دیا۔ کہ اب میں اس کو کس طرح سارے لشکر میں تقسیم کروں اب تو قیامت کے دن اس کو لیکر حاضر ہوگے۔"

گویا مشترکہ مفادات یا قومی املاک میں خیانت ایسا قبیح جرم ہے۔ جس کا فیصلہ دنیا کی کسی عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ یہ مخلوق کی عدالت کے دسترس سے بالا ہے۔ اس کا فیصلہ اس عالی دربار میں ہوگا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو رسائی کی قدرت حاصل نہیں۔ اس کی رازیں وہاں کھلینگی۔ جہاں پر پوری اولاد آدم حاضر ہوں۔ ایسے نازک مواقع پر عموماً" مجرم بے سہارے کا شکار ہوتا ہے۔ عزیز و اقارب بھی تجاہل عارفانہ کرکے اجنبیت کا معاملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ محسن کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشگی اعلان کرکے فرماتے

ہیں۔

لاالفین احدکم یجئی یوم القیمة علی رقبة بعیر له رغاء یقول یارسول اللہ اغثنی فاقول لا املک لک شیئا قد ابلغتک لا الفین احدکم یجئی یوم القیمة علی رقبة فرس له حمحمة فیقول یا رسول اللہ اغثنی فاقول لا املک لک شیئا قد ابلغتک الحدیث

(صحیح مسلم ج 2 / 123)

یعنی ایسا نہ ہو۔ کہ قیامت کے دن میری اور تمہاری ملاقات ایسی حالت میں ہو۔ کہ تم میں سے کسی ایک کی گردن میں اونٹ لدھا ہوا ہو۔ اس کی آوازیں ہو۔ یا گھوڑا ہو جو ہنہناتا ہو۔ یہ شخص مجھے کہے کہ میری سفارش فرمائیں۔ میں اس کو کہونگا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا ہوں میں تم کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا تھا۔

بجلی کی چوری کے لئے ایسی کمزور دلیل کا سہارا لینا بے سود ہے۔ کہ حکومت اگر ہم پر ظلم کرے۔ تو ہمیں اپنے حقوق کی وصولی کا پورا حق حاصل ہے۔ خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ یہ حیلہ وہاں کارآمد ہے۔ جہاں پر کسی شخص سے انفرادی معاملہ ہو۔ اور ظلم و زیادتی کا ازالہ بھی ممکن ہو۔ لیکن بجلی کی چوری میں یہ حیلہ بھی مفید نہیں۔ کیونکہ اس میں اولا" صارف کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں۔ جس سے یہ اپنے اوپر کئے ہوئے ظلم تک تجاوز محدود رکھے۔ نیز جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ کہ اس ظلم و زیادتی کا بوجھ محکمہ پر نہیں ڈالا جاتا ہے۔ بلکہ ایسے لوگ اس زیادتی کے شکار ہوتے ہیں۔ جو پہلے سے دوسرے لوگوں کے مظالم کے شکار ہو کر کئی گناہ اضافی بوجھ برداشت کر چکے ہوتے ہیں۔

اور اگر احتیاطی تدابیر بروئے کار لاکر اپنے حقوق کی وصولی تک یہ تگ و دوڑ محدود رکھے۔ پھر بھی یہ اقدامات شبہات سے خالی نہیں۔ جن سے اجتناب مسلمان کی مذہبی ذمہ داری ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان نقل کرکے فرماتے ہیں۔

ہم نے دس حصوں میں سے نو حصے اس ڈر سے چھوڑ دیئے ہیں کہ کسی حرام میں نہ پڑھ جائیں۔

(ترجمہ کیمیا سعادت / 177)

اس لئے بجلی کی چوری کرنا خواہ میٹر بند کرے یا مقررہ رفتار سے کم کرکے زیادتی بجلی خرچ

Scanned with CamScanner

کرنے کے باوجود کم قیمت ادا کرے ازروئے شرع ناجائز حرکت ہے۔ ایسی چوری سے کما پینے کی چیزوں کا متاثر ہونا کسی سے مخفی نہیں۔ اگرچہ چوری کی بجلی سے گرم کئے ہوئے پانی وضو کرکے نماز پڑھنے سے ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے۔ لیکن جرم سے خالی نہیں۔ تاہم حکومت یا محکمہ کی طرف سے ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف آواز اٹھانا انسان کا بنیادی ہے۔ لیکن احتجاج بار آور ثابت نہ ہونے کی صورت میں چوری پر اقدام کرنا زیادتی مترادف ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصوا

غلام الرحمٰن عفی

16/ 8/ 1

بقیہ صـ ۱۴

ہے اور وہ اصول و قواعد کیا ہیں جن پر اس کا اجتہاد مبنی ہے۔ اور دوسروں کے اجتہاد اسے ممتاز کرتا ہے۔ اور پھر اصولوں کی تشریح و توضیح میں احکام و مسائل بھی بکثرت ملتے ہیں۔ یہ شرف امام شافعی کو حاصل ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن کی داغ بیل ڈالی۔ اور اس پر باقاعدہ کتاب لکھی ہے یہ کتاب الرسالہ کے نام سے مشہور ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس فن کا بڑا عروج حاصل ہوا۔ علماء کا ایک گروہ کثیر اس طرف متوجہ ہوگیا اس کی ترتیب و تدوین میں بڑی عرق ریزیاں کی گئیں اور بالاخر یہ ارتقاء اور پختگی کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ اسے مستقل بالذات علم کی حیثیت حاصل ہوگئی اور بعد میں امت کے اہل علم میں اصول فقہ کے نام سے متداول رہا

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی کفایت شعاری

ان کی احتیاط تنہا اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ اپنے عمال حکومت کو بھی احتیاط کا سبق دیتے تھے، اور ان سے توقع کرتے تھے کہ وہ بھی حکومت کے معاملہ میں اسی قدر محتاط اور جزرس ہونگے، والی مدینہ ابوبکر بن حزم نے سلیمان بن عبدالمالک کو درخواست دی تھی کہ حسب دستور سابق ان کو سرکاری موم بتیاں اور قندیلیں ملنی چاہئیں، سلیمان کے انتقال کے بعد یہ پرچہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ملاحظہ میں آیا، آپ نے لکھا کہ ابوبکر مجھے یاد ہے کہ تم اس عہدے سے پہلے جاڑے کی اندھیری راتوں میں بے شمع و موم بتی کے نکلتے تھے، تمہاری وہ حالت اس سے بہتر تھی، میرے خیال میں تمہارے گھر کی موم بتیاں اور قندیلیں کافی ہیں، انہی سے تم کو کام لینا چاہیے۔ اسی طرح کی ایک درخواست پر جس میں سرکاری کام کے لئے کاغذ طلب کیا گیا تھا، لکھا کہ :۔

"قلم باریک کردو اور گٹھا ہوا لکھو، اور ایک پرچہ میں بہت سی ضرورتیں لکھدیا کرو، اس لئے کہ مسلمانوں کو ایسی لمبی چوڑی بات کی ضرورت نہیں جس سے خواہ مخواہ بیت المال پر بار پڑے"۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج 1/ 48

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو بھی گالیاں دے سکتا ہے؟ تو فرمایا، ہاں، (وہ اس طرح کہ) یہ شخص کسی دوسرے شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور یہ شخص اس کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا"۔ (صحیح مسلم)

تحدید قیمت کا شرعی تجزیہ

ذاکر حسن

بلاوجہ روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی نے لوگوں کو انتہائی پریشان کر رکھا ہے۔ اکثر چیزوں کی ب ہوئی قیمت فطری اور متوازن نہیں بلکہ مصنوعی اور اختیاری ہے۔ ہر آدمی کے دھان طمع ھل من مزید کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ حرص اور طمع کی کوئی حد نہیں۔ کوئی سیر ہوتا۔ اس لئے مال کی زیادتی کے لئے مختلف حیلے اور طریقے اختیار کر رہا ہے۔ مال کی زیاد مخلوق خدا کے لئے ایک ضرر رساں طریقہ اشیاء کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگانا ہے۔

اشیاء کی قیمتوں کا فطری طریقہ :۔ اشیاء کی قیمتوں کا تعلق بازار میں طلب اور رسد ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ جب میں آزاد مسابقت ہو ہر تاجر کو اپنا مال بغیر کسی قدغن بازار م فروخت کرنا آسان ہو تو گاہک اپنی مرضی سے جس سے چاہئے مال خریدے گا۔ اگر کسی چیز طلب زیادہ ہے اور بازار میں اس کی رسد کم ہو تو وہ چیز مہنگی ہوگی۔ طلب اور رسد کا قانون سبزیوں کے موسم میں بڑا نمایاں ہوتا ہے۔ جب کوئی سبزی بازار میں نئی نئی آتی ہے اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ رسد کم ہوتی ہے جوں جوں رسد میں اضافہ ہوتا ہے ا کی قیمت گرتی چلی جاتی ہے۔ مثال کے طور ٹماٹر ابتداء میں خوب مہنگا ہوتا ہے ایک وقت ہے کہ بازار میں اس کی اتنی کثرت ہوجاتی ہے کہ بہت سستا ملتا ہے۔ بلکہ تاجر اس کا کرا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ ٹماٹروں کے بھرے ہوئے ٹرک کی قیمت ٹرک کے کرایہ سے بھ کم ہو جاتی ہے۔

یہی حال تمام موسمی سبزیوں کا ہوتا ہے۔ سبزیوں کی طرح اگر دیگر اشیاء کے ساتھ بھی تاجروں کا یہی معاملہ برقرار رہتا تو لوگوں کو ان اشیاء کا خریدنا آسان ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے لوگ ان فطری توازن کو بگاڑ کے رکھ دیتے ہیں۔ طلب اور رسد کے قانون کو توڑ کر اشیاء کا توازن بگا کے رکھ دیتے ہیں۔ اس قانون کو توڑنے کے لئے تاجر مختلف طریقے اپناتے ہیں۔ کبھی تو ذخیر اندوزی کے ذریعے مصنوعی قلت پیدا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے لوگ ضروری اشیاء مہنگ داموں خریدتے ہیں۔ کبھی چند تاجر بازار پر اجارہ داری قائم کر دیتے ہیں۔ گاہک مجبوراً ان کے پاس جاتا ہے۔ کبھی دو نمبر چیز لوگوں کو ایک نمبر دکھاتے ہیں۔ تاکہ زیادہ قیمت وصول

ایسے وقت میں ایک اسلامی ریاست کا فریضہ بنتا ہے کہ لوگوں کو طلب اور رسد کے فطری قوانین کی طرف پھیر دیں۔ یا حکومت دخل انداز ہو کر چیزوں کی قیمت مقرر کر دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیمتوں کی تعین اللہ کرتے ہیں۔ اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ انس بن مالک سے روایت ہے۔ قال غلا السعر علی عہد رسول اللہ فقالوا یارسول اللہ قد غلا السعر فسعر لنا فقال ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق انی لارجوان القی ربی ولیس احد منکم یطلبنی بمظلمۃ بدم ولا مال

(ابن ماجہ ج۱/ 159)

آپ نے فرمایا قیمتیں اللہ مقرر کرتے ہیں۔ رزق کی تنگی اور کشادگی وہی لاتا ہے اور وہی رزق ہے مجھے امید ہے کہ اللہ ایسی حالت میں ملاقات کروں گا۔ کہ مجھ سے کوئی بھی مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا۔ کہ میری جان یا مال کے بارے میں اس پر ظلم کیا ہو۔

آپ نے قیمتوں کی تعین اس لئے نہیں کی کہ لوگوں کے مال میں ان کی اجازت اور مرضی کے بغیر تصرف ہے۔ ممکن ہے لوگ مایوس ہو کر تجارت چھوڑ جائیں جس کا اثر تمام صارفین پر پڑے گا۔

جواب:۔ جب بھی بازار میں آزاد مسابقت ہو۔ طلب و رسد کا فطری قانون جاری ہو تو قیمتوں کے اندر اتار چڑھاؤ ضرور نظر آئے گا۔ فطری قانون کو چھیڑنا صحیح نہیں۔ لیکن جب فطری قانون کو ایک آدمی توڑنا چاہئے تو پھر اس کا ہاتھ روکنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قانون کو توڑنے والے کے بارے میں وعیدات میں حضورؐ کا فرمان ہے۔ جو مسلمانوں کی خوراک کو ذخیرہ اندوزی کے ذریعے روک دے اللہ تعالیٰ اس کو جذام کی بیماری اور افلاس میں مبتلا کر دیں گے۔ یعنی اس کی جان و مال کا نقصان ہوگا۔

ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں جو آدمی چالیس دن تک خوراک وغیرہ کی اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کرے کہ اس کی قیمت بڑھ جائے تو اللہ کے ذمہ سے نکل جاتا ہے۔ اور اللہ اس سے بیزار ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا۔ ذخیرہ اندوز ملعون ہے (مشکواۃ کتاب البیوع)

فرمایا لاتلقو الرکبان لبیع ولا یبع بعضکم علی بیع بعض ولا تنا

جشوا ولا بیع حاضر لباد۔ یعنی وہ قافلہ جو مال تجارت لیکر آرہا ہو ان سے راستے میں نہ ملو۔ ان کو شہر میں داخل ہونے دو عموماً" ان سے مال سستا خرید کر بازار میں پھر بیچتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ قافلہ کھلی مسابقت کے لئے بازار میں آنے دو۔ اگلے جملے میں فرمایا لاتنا جشوا قیمتیں نہ بڑھاؤ۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ ھوالزیادۃ فی ثمن السلہ من غیر رغبتہ فیھا لتخدیع المشتری۔ بکنے والی چیز خود نہیں خریدتا لیکن دوسرے کو دھوکہ دینے کے لئے اس کی قیمت بڑھا دیتا ہے۔ ملا علی قاری تلقی رکبان کے معین بیان کرتے ہیں۔ والمعنیٰ اذا وقع الخبر بقدوم قافلۃ فلاتستقبلوھا وتشتروا من متاعھا بارخص قبل ان یقدموا السوق ویعرفوا سعر البلد نھی عنہ للخدیعتہ والضرر۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج 6 / 77)

جب کسی قافلہ تجارت کے آنے کی اطلاع مل جائے تو ان کے شہر میں داخل ہونے اور شہر کی قیمت معلوم کرنے سے قبل ان کا استقبال کرکے ان کا مال سستا نہ خریدو۔ اس سے اس لئے منع کیا گیا کہ اس میں دھوکہ اور ضرر ہے۔

ولا یبع حاضر کی تشریح کرتے ہیں۔ اذا جاء البدوی بطعام الی بلد مسعر لبیعہ یومہ ویرجع فیتوکل البلدی عنہ لیبیعہ بااسعر الغالی علی التدریج وھو حرام عندالشافعی (ومکرہ عندابی حنیفہ ج 6 / 78)

جب دیہاتی خوراک وغیرہ لیکر شہر آئے تاکہ اسی دن قیمت پر بیچ کر واپس جائے تو شہری آدمی اس کا مال اس سے خرید کر بتدریج مہنگا بیچتا ہے اور یہ امام شافعی کے نزدیک حرام ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دیہاتی کا راستہ نہ روکو اس کو چھوڑ دو کہ بازار میں کھلی مسابقت کے مطابق اپنا مال بیچ دے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوگ اپنے اختیار سے بازار کی فطری قیمتوں کے توازن کو بگاڑ سکتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ خرید و فروخت میں نرمی اور اچھے سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کی بڑی فضیلت ہے حدیث میں ہے عن عثمان بن عفان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادخل اللہ الجنتہ رجلاً" کاالھلا" بائعاً" ومشریا"

جو آدمی خرید و فروخت میں نرمی سے کام لے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے۔

سری حدیث میں رحم اللہ عبدا" سمحا" اذا باع سمحا" اذا سمحا" اذا
تضی" (ابن ماجہ ج1 / 159)

س حدیث کا اور اس سے اگلی حدیث کا ایک مفہوم ہے ایک حدیث میں فرمایا کہ جو آدمی
ک شہر سے دوسرے شہر خوراک لے جاکر اس دن کی قیمت پر فروخت کردے تو اس کا مرتبہ
دللہ شہداء کا ہے لیکن جب قیمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور ظلم کی انتہاء ہو جائے تو
کم وقت اشیاء کی قیمتیں مقرر کرسکتا ہے اور چیز سستی بھی کرسکتا ہے۔ عرف الشذی میں امام
و یوسف کا قول نقل کیا ہے۔

وی عن ابی یوسف ان الغلو ولمظلمته یعین الامام السعر بنفسه
یدخل فی ترخیص الاشیاء (حاشیہ ترمذی ج1 / 247)

ب ظلم کی انتہا ہو جائے تو امام وقت خود قیمتوں کی تعین کرے۔ اور چیز سستی کردے۔

ج کل تو اشیاء کی قیمتوں کی تعین میں حکومت کی دخل اندازی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ہر
طرف پیٹ پرستی اور مادہ پرستی ہے۔ مخلوق خدا پر رحم نہیں کرتے۔ ہر طرف من مانی ہے ہر
دمی اپنے مرضی کا دام مانگتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس لئے نرخ ناموں کا تعین ضروری
ہے تاکہ ظلم نہ ہونے پائے۔

خ عبدالحق محدث دہلوی انس بن مالک کی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ و دریں نہی
ست از نرخ نہادن کہ آن تعرف است در اموال مردم بے اذن ایشان و
ظلم کردن است در حق ایشان

س حدیث میں نرخ مقرر کرنے سے منع وارد ہے کیونکہ یہ غیر کے اموال میں ان کی اجازت
کے بغیر تصرف ہے اور ان کے حق میں ظلم ہے۔ آگے پھر فرماتے ہیں۔ ولیکن
مر کردہ شود بانصاف وشفقت بر خلق و نصیحت بخلق لیکن ان کو
حکم دیا جائے گا کہ مخلوق خدا کے ساتھ انصاف شفقت اور خیر خواہی کا معاملہ کریں۔ (اشعۃ
للمعات ج 3 / 24)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حکومت رعایا کی خیر خواہی۔ انصاف اور شفقت کے لئے اشیاء کی
قیمتوں کی تعین کرے تو جائز ہے۔ مباح اور جائز امور میں امام وقت کی طاعت واجب ہوتی
ہے۔ گناہ کے کاموں میں امام کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ امام کا حکم رعایا کے حق جب مفید

بقیہ صـ ۳۲

العصر کی سالانہ کارکردگی

بحمد اللہ جنوری 1996ء سے العصر کی دوسری جلد شروع ہو رہی ہے۔ کمر توڑ مہنگائی اور نامسا حالات کے باوجود پہلی جلد کی تکمیل اور خلاف توقع، حوصلہ افزا میدان میسر ہونے پر ہم رب کائنات کے عظیم احسانات کے شکر گزار ہیں۔ اور دست بدعا ہیں۔ کہ اللہ آئندہ قدم بھی تر اور کامرانی کا پیغام بنا دے آمین۔

العصر کی تاسیس سے ہمارا مقصد مروجہ رسالوں کی فہرست میں صرف ایک رسالہ کا اضافہ نہیں بلکہ عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کے حقانی مذہب کی ترجمانی مقصود تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ جدید مسائل پر سیر حاصل بحث کے حامل مضامین ہمارے رسالہ کی خصوصیت ہو۔ اگرچہ ہم نے اس میدان میں کچھ حد تک کوشش کی۔ لیکن اہل فن تک عدم رسائی کے علاوہ خود بھی اس میدان میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے رسالہ کو وہ مقام نہ دے سکے۔ جسکا ہمارے مخلص رفقاء ہم سے توقع کر رہے تھے۔ تاہم یہ بات ہمارے لئے باعث اطمینان ہے۔ کہ ہم اپنے اہداف اور مقاصد کے لئے ثمر آور کوشش کی۔ اور کچھ حد تک کامیابی ہم اپنے لئے حوصلہ افزائی کا پیغام سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایک سال میں رسالہ کو ایسے مقام دلانے کی کوشش کرنا یا ایسے مقام کی توقع رکھنا۔ جو وسیع تجربہ سے حاصل ہوتا ہو۔ ایک بے معنی سوچ کے مترادف ہے ہمارے مخلص رفقاء نے اور قارئین نے ہمیں جو حوصلہ دیا۔ ہم اس کا تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر اللہ کی مدد شامل حال رہی۔ اور حلقہ رفقاء نے تعاون جاری رکھا۔ تو بہت جلد ہی العصر اپنے ایک خاص مقام پیدا کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ گذشتہ رسالہ میں قارئین سے تجاویز اور آراء طلب کرنے پر الحمدللہ ہمیں قیمتی مشورے دیئے گئے ہیں۔ کچھ تجاویز تو ایسے ہیں۔ جس کے لئے زر کثیر کی ضرورت ہے۔ ادارہ ایسے ناقابل تحمل بوجھ اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اور قارئین پر ایسا بوجھ ڈالنا بھی مناسب نہیں۔ تاہم بعض تجاویز کو قابل عمل بنانے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1) ابھی تک ہمارا رسالہ ٹائیل اور آخری ورق کے علاوہ چالیس صفحات پر مشتمل تھا۔ انشاء اللہ آئندہ کے لئے رسالہ 48 پر حاوی رہے گا۔

Scanned with CamScanner

(2) اداریہ عموماً دو صفحات پر حاوی رہتا۔ لیکن حلقہ قارئین کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں مزید ایک صفحہ کا اضافہ کرکے آئندہ کے لئے انشاء اللہ صدائے عصر کے لئے تین صفحات ہونگے۔

(3) صدائے عصر اور دارالافتاء دونوں رسالہ کے مسلسل لازمی حصے رہیں۔ انشاء اللہ آئندہ کے لئے علاوہ ازیں قرآنی علوم "معارف الکتاب" کے نام سے شائع ہونگے۔ جس کے لئے دو صفحات خاص ہونگے۔ جبکہ ایک صفحہ پر ایک حدیث اور اس کا آسان سلیس ترجمہ شائع کیا جائے گا۔ تاکہ مسلمان کسی جدت پسندی کے شکار ہونے کے بجائے قرآن و حدیث کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھ کر اس سے واقف ہو۔

(4) ہماری کوشش ہوگی۔ کہ مضامین پر عملی مواد' تحقیقی رنگ اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کا عنصر غالب رہے۔ تاکہ ان تمام ارادوں کی تکمیل اب کائنات کے فضل و کرم اور حلقہ قارئین کہ حوصلہ افزائی سے متوقع ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ محض دینی اور علمی سفر میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ تو زیر اثر حلقہ میں قارئین کے حلقہ کی وسعت کے لئے کوشش کریں۔ خدا کرے کہ آپ کی ادنیٰ توجہ العصر کی کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو۔

بقیہ صفحہ ۳۱

ہو تو اس کی اتباع ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں۔

اطاعته فيما اباحه الشرع وهو مايعود نفعه على العامه شرعی مباح

امور میں جس کا عام لوگوں کو فائدہ ہو امام کی اطاعت واجب ہے۔ فرماتے ہیں

لوامر بصوم ايام لطاعون ونحو يجب امتثاله

اگر حاکم طاعون کی وجہ سے روزہ رکھنے کا حکم دے تو ماننا ضروری ہے۔

(درالمختار ج 5 / 296)

Scanned with CamScanner

کائنات کا بہترین استاد

سیرت

مفتی غلام الرحمان

"تعلیم الکتاب والسنۃ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کا اہم فریضہ ہے۔ آپ نے مکی اور مدنی زندگی میں اسکی طرف مستقل توجہ دی۔ مختلف اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام اس لئے تشریف لائے۔ کہ لوگوں کو اس فریضہ کے رسوم اور آداب سکھائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے "کتاب الایمان" کے اولین باب میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت میں جب حضرت جبرائیل علیہ السلام دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ تو نشست و برخاست، وضع و رفع اور پوچھنے میں ایسی کیفیت اختیار کی۔ جو متعلم کے لئے معلم کے سامنے ضروری ہے۔

مکی اور مدنی زندگی میں تعلیم کی طرف توجہ :۔ منصب نبوت کے جملہ فرائض کی ادائیگی میں "تعلیم" کا ایک اہم کردار رہا۔ آپ نے اولین روز سے اس کو بڑی اہمیت دی۔ مکی زندگی میں اگرچہ مسلمان دشمنان اسلام کے اذیت ناک سلوک اور رویئہ کی وجہ سے کوئی اجتماعی پروگرام جاری نہ رکھ سکے۔ لیکن انفرادی دعوت میں تعلیم کے شعبہ کو نہیں چھوڑا۔ تاہم اس دور میں کسی سرگرمی ظاہر کرنے کے آثار بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ایام ہجرت کے وقت جن صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہکر مدینہ منورہ میں (ابتداء) فقر وفاقہ کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب تعلیمی پالیسی کا بین ثبوت ہے۔ آپ نے ایسے انداز میں اپنے جان نثار صحابہ کی تربیت کی کہ حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کل متاع کائنات سمجھے۔

لیکن مدنی زندگی میں جہاں مسلمانوں نے اپنی طاقت کا لوہا منوا کر مختلف میدانوں میں ترقی کی۔ تو "تعلیمی میدان" کی ترقی میں بھی اسلام کا عظیم معجزہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر تعلیم کے لئے ایک باقاعدہ منظم پروگرام وضع کیا۔ مسجد نبوی کے سائیہ میں "صفہ" کے چبوترہ میں ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی جسمیں مقیم اور مسافر طلباء رہتے تھے جنکے خورد و نوش کی ذمہ داری عام مسلمان اٹھاتے صفہ درحقیقت اسلامی نظام تعلیم کی اولین یونیورسٹی ہے۔ جسمیں صحابہؓ فنون حرب، زراعت، تجارت اور دوسرے علوم کی تعلیم حاصل

کرتے۔ اس کے ساتھ عملی زندگی میں اس کے اجزاء یعنی مذکورہ علوم کے ٹیکنیکل شعبہ پر بھی خاص توجہ دی جاتی تھی۔ چنانچہ مہاجرین میدانِ تجارت میں اور انصار زراعت میں اسکے عملی ثبوت پیش کرتے میں پیش پیش رہے۔ جبکہ میدان جہاد میں جوہر کمالات دکھلانے میں ہر ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش کرتا۔ گویا یہ ایک ناقبل انکار حقیقت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر وقت میں مستفیدین اور متعلمین کا وسیع حلقہ قائم کرکے ایک کامیاب معلم اور استاد کے فرائض سرانجام دیئے۔

جدید دور میں "طریقہ تعلیم" مستقل فن سمجھا جاتا ہے۔ ماہرین تعلیم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئی نئی چیزیں سامنے لاتے ہیں۔ لہٰذا مروجہ دور کے ماہر استاد کی جملہ خوبیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت میں علی وجہ اتم پائی جاتی ہے۔

بہترین استاد کی خوبیاں:۔ جدید طریقہ تعلیم کے ماہرین کے رائے میں ایک استاد کی ذات میں دیگر جزوی خصوصیات کے علاوہ دو اہم خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بیسویں صدی کے ایک قابل اعتماد جائزہ کا بیان ہے۔ کہ مدرس میں دو باتیں ہونی لازمی ہیں۔ (1)

(1) علم KNOWLEDGE اور (2) ایاقت ABILITY

یعنی مدعا تعلیم کا علم، متعلم کا علم، وسائل تعلیم کا علم، اور مقصد مطلوبہ کی انجام وہی کے لئے ان وسائل کے استعمال کرنے کی لیاقت۔ اول الذکر خوبی کی ضرورت اس لئے ہے۔ کہ اگر کسی معلم کو اپنے متعلقہ موضوع پر قدرت حاصل نہ ہو۔ تو تلامذہ کے لئے ایسے استاد سے استفادہ ناممکن ہے۔ حساب کے استاد سے شاگرد اس وقت استفادہ کرسکتے ہیں۔ جب یہ خود حساب کے فن سے واقف ہو۔ علی ھذا القیاس ہر فن کے استاد کو اپنے موضوع پر پوری قدرت کے ہونے کی ضرورت ایسا بدیہی مسئلہ ہے۔ جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو صرف موضوع پر قدرت ہونے پر اکتفاء نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اسکے ساتھ ساتھ استاد میں یہ خوبی بھی ہونی چاہیئے۔ کہ وہ اس طریقہ سے واقفیت رکھتا ہے۔ کہ اس کے علوم دوسرے اذھان میں کیسے پہنچیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم ہونے کے ان تمام خوبیوں سے مزین تھے۔ جن خوبیوں کی ضرورت جب کبھی استاد کی ذات میں پڑتی ہے۔ مذکورہ دونوں خوبیاں آپ کی ذات بابرکت میں کامل طریقہ سے موجود تھیں۔

Scanned with CamScanner

جہاں تک اول الذکر خوبی یعنی علم کا تعلق ہے۔ تو یہ کسی سے مخفی نہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پوری کائنات سے اعلیٰ اور افضل تھا۔ اللہ تعالیٰ کے آپ پر فہم و دانش اور علم و معرفت کے وہ دروازے کھولے تھے۔ جسکا ادراک انسانی مدرکہ کے بس میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب کی وہ صفت نہیں دی۔ جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کے علاوہ علم کے اعلیٰ مدارج اور مراتب تک آپ کو پہنچایا۔ قرآنی علوم کی وسعت اور ہمہ گیری سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ آپ کے علوم وحی کا ایک حصہ ہے۔ گویا مفسرین کرام کی نادر تحقیقات مشکواۃ نبوت کی علمی اسرار اور رموز کی تشریحات ہیں۔ جو پندرہ سو سال گزرنے کے باوجود تشنہ ہیں۔ آپ کے ایک ادنی امتی کو جو علوم دیکھے جاتے ہیں۔ بسا اوقات معاشرہ متحیر العقول مسئلہ بن جاتا ہے حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اتقوا من فراست المومن فانه ینظر بنور اللہ۔ (2)

مومن کے نور فراست سے بچتے رہو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

چنانچہ انسانی زبان سے نکلنے والی بات بسا اوقات حقیقت کے معیار پر اس انداز سے پوری اترتی ہے کہ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

تو جب ایک غلام کے علوم کا یہ اندازہ ہے۔ تو آقائے غلام کا دریا اس سے کتنی گناہ زیادہ ہے۔ حافظ جلال الدین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر اگلے اور بعد میں آنے والے علوم کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور ان پر علم کے خزانے کھول دیئے جائیں گے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاشک علم کے بڑے خزانے دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ دنیا کے سب سے بڑے صاحب عقل ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں۔ میں نے اکہتر (71) کتابیں پڑھی ہیں۔ تمام میں مجھے یہ حقیقت ملی۔ کہ دنیا کی پیدائش سے لیکر ختم ہونے تک تمام عقول کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقل سے ایسی ہے۔ جیسی نسبت ریت کے ایک ٹکڑے کا پوری دنیا کے ریت سے ہے۔ اس اعتبار سے آپ کا عقل علم کی طرح کامل اور افضل ہے۔

ذاتی قابلیت کے عناصر:۔ کسی استاد کی ذاتی قابلیت کے بنیادی عناصر تین ہیں (1) شخصیت یعنی (PARSANLALTI) (2) تلامذہ سے محبت (3) اور خیر خواہی کا حسین جذبہ استاد کی یہ تینوں خوبیاں باہمی مناسبت سے ملکر استاد کو وقت کا بہترین شخصیت ثابت کرا سکتا ہے۔ اس لئے یہ تینوں چیزیں قابلیت کا معیار ہے۔ اگر کسی ذات میں یہ تینوں چیزیں کامل طریقہ سے موجود ہوں۔ تو اس کی قابلیت سب سے اعلی ہوگی ۔ گویا ان خوبیوں کی مقدار سے استاد کی قابلیت کی قیمت گھٹتی اور بڑھتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت:۔ استاد کی شخصیت میں جلال و جمال کی کسی ایک جانب میں افراط و تفریط موجب قدح اور عیب ہے۔ اس لئے بہترین استاد کی ذات اور شخصیت جلال و جمال کا مرقع ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں دونوں عناصر کا ایسا حسین امتزاج تھا۔ کہ انسان بیک وقت دونوں کا ادراک کرتا تھا۔ اٹھنے' بیٹھنے' چلنے پھرنے میں ایسے پروقار رہتے۔ کہ دیکھنے والے عظمت کے مطالعہ میں دم خود رہ جاتے۔ ملتے وقت ایسی توجہ سے ملتے۔ کہ ملاقات کرنے والے کا دل موہ لیتے۔ محفل میں رونق افزون ہوئے۔ وقت سامعین پر عظمت کا ایسا رعب چھا جاتا۔ کہ ان کی خاموشی کی وجہ سے پرندے ان کے سروں پر بیٹھتے۔ کسی کو بلا ضرورت پوچھنے کی جرات نہیں رہتی۔ حضرت عمرؓ باوجود اپنی عظمت اور جلال کے دربار نبوی میں جب کبھی بات کرتے۔ تو اس قدر آہستہ کرتے کہ سمجھنے کے لئے بار بار پوچھنے کی ضرورت پڑتی۔ اور حضرت ابوبکرؓ پر تو ہمیشہ کے لئے بات کرتے وقت سرگوشی کی کیفیت طاری ہوتی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کرامؓ کی ایک خاص شان تھی۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی وجہ سے بہت کم سوالات پوچھتے۔ پورے قرآن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے متعدد مواقع پر کل چودہ سوالات پوچھے۔ جنکے جوابات اللہ تعالٰی نے دیئے۔ جنمیں آٹھ سوالات سورۃ البقرہ میں ہیں۔ بقیہ چھ سوالات قرآن کی دوسری سورتوں میں ہیں۔ (3)

لیکن اس کے باوجود آپ کی طبیعت میں جمال بھی پایا جاتا۔ جسکی وجہ سے آپ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے۔ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فضا غليظ القلب لانفضوا من

حوالہ (۹)
خدا کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے۔ اور اگر آپ تند خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔

شخصیت کی تکمیل کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے۔ کہ معلم تلامذہ کے سامنے اپنی شخصیت ایسے انداز سے پیش کرے۔ کہ خود اس کی شخصیت اس کے نظریات کا عملی نمونہ ہو۔ گفتار و کردار میں ہم آہنگی ہو۔ جو کچھ طلباء کو دینا چاہے۔ اس پر استاد کا پورا اعتماد ہو۔ اگر کسی مفروضہ کے بارے میں استاد خود کسی تذبذب کا شکار ہو۔ تو تلامذہ کو اپنے نظریہ سے مطمئن کرانے میں ایسا استاد کامیاب نہیں رہتا ہے۔ استاد اپنے نظریہ کی صحیح ترجمانی اس وقت کرسکتا ہے۔ جب اس کو خود اپنے کلام کے بارے میں اعتماد حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن و حدیث میں ایسے ناصح اور واعظ کی مذمت ہوئی ہے۔ جو خود ایسے وعظ پر عمل نہیں رکھتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی انقلابی فکر کی دعوت دی تو پہلے اسکا خود عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ نے جب شجاعت اور بہادری کی تعلیم دی۔ تو خود تلوار لیکر ستائیس جنگوں میں بنفس نفیس حاضر ہوکر "انا النبی لاکذب وانا ابن عبدالمطلب" کا نعرہ لگایا۔ اگر عفو اور درگذر کا سبق دیا۔ تو خود کسی کو اپنے کے بارے میں نہیں ستایا۔ بلکہ فتح مکہ کے دن ان دشمنوں کے بارے میں "لاتثریب علیکم الیوم اذھبو انتم الطلقاء" فرمایا۔ جنھوں نے مکہ مکرمہ سے محض اس وجہ سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نکالا تھا۔ کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دی تھی۔ اگر آپ نے سخاوت اور دریا دلی کی ترغیب دی۔ تو خود سخاوت کی ایسی مثال پیش کی۔ کہ لاکھوں دراھم ایک محفل اور مجلس میں اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرتے۔ اگر سود خوری سے مخالفت کا اعلان کرکے لوگوں کو سود چھوڑنے کی تلقین کی۔ تو اسکی ابتداء اپنے گھر سے کرکے فتح مکہ کے دن اپنے چچا کے سود کو معاف کرایا۔ اگر ایام جاہلیت کے انسانیت سوز خونی بدلوں کے خاتمہ کا اعلان کیا۔ تو پہلے خود اپنے قومی خون کے معافی کا اعلان کیا یہ آپ کی شخصیت کے وہ سبق آموز پہلوؤں ہیں۔ جنھیں دیکھ کر لوگ عملی طور پر متاثر ہوئے۔

تلامذہ سے محبت و شفقت:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین استاد کی یہ دوسری خوبی اعلیٰ معیار میں موجود تھی۔ آپ کا اپنے تلامذہ سے ایسی محبت تھی۔ جس

کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ درس دیتے وقت شاگردوں کی رعایت فرماتے۔ عام اعلان تھا۔ کہ "کلمو الناس قدر عقو لھم" لوگوں سے ان کے فہم و سمجھ کے مطابق بات کی جائے پڑھائی کے اوقات میں نظم و ضبط اور اعتدال میں تلامذہ کے جذبات کی رعایت کی جاتی۔ ایسا کام نہیں فرماتے۔ جس سے مستفیدین کو تکلیف ملتی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالمواعظة فی الایام کراھیة السامة علینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں ہم کو نصیحت کرنے کے لئے وقت اور موقع کی رعایت فرمائے آپ اس کو برا سمجھتے کہ ہم اکتا جائیں۔

چنانچہ درس کے لئے باقاعدہ وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور عموماً" اس کا خیال رکھا جاتا۔ جب کبھی کسی شاگرد کی تکلیف دیکھتے۔ تو اس کے ازالہ کی کوشش فرماتے۔ ایک دفعہ آپ نے پند و نصائح سے لبریز خطبہ دیا۔ تو یمن سے آئے ہوئے ایک صحابیؓ نے درخواست پیش کی۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو تقریر کی۔ یہ مجھے یاد نہیں رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی حالت پر شفقت فرما کر دوسرے صحابہؓ سے فرمایا۔

اکتبوا لابی شاہ۔ (6)

ابو شاہ کے لئے لکھ کردو۔

حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ شفقت نبوی کے ایک مثالی کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللھم علمه الکتاب۔ (7)

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے لگا کر دعا دی۔ کہ اے اللہ اس کو اپنی کتاب کا علم عطا کر۔

آپ کی شفقت کی عظیم دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ حکم دیا گا۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی تریدون وجھه ولاتعدعینک عنھم۔

چنانچہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا عام طور پر صحابہ کرامؓ سے ہوتا۔ عبداللہ بن ام مکتوم کے صرف ایک واقعہ میں کچھ معمولی رعایت نہ ہوسکی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اسکا تذکرہ فرما کر آئندہ کے

Scanned with CamScanner

لئے ایسے روئیہ سے باز رکھا۔ جس کی صفت قرآن میں "بالمئومنین روف رحیم" ہو۔ تو اسکی
شفقت و محبت کی کوئی انتہا نہیں۔

خیر خواہی کا جذبہ:۔ قابلیت کا تیسرا عنصر تلامذہ اور مستفیدین کے لئے خیر خواہی اور
ہمدردی کا حسین جذبہ ہے۔ جیسا کہ والدین اپنے بچوں کے لئے خیر خواہی کا ایسا حسین جذبہ
رکھتے ہیں۔ جو حالات و واقعات سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔ اگر اولاد کی طرف سے والدین کو
کسی تکلیف دہ حرکت کا سامنا ہو۔ تو والدین اس جذبہ کی وجہ سے وہ نادانی پر حمل کرتے ہیں
اس استاد کے دل میں خیر خواہی کا جذبہ اس سے بلند ہونا چاہیئے۔ استاد کے لئے ہمہ وقت یہ
سوچنا چاہیئے۔ کہ میرے عمل سے میرے تلامذہ کیسے روشناس ہونگے۔ اس کے لئے تلامذہ کے
جذبات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ان کے جذبات کی روشنی میں ان سے بات کی
جائے۔ اور استاد کے پورے معلومات شاگردوں کے اذہان میں منتقل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر خوبیوں کی طرح اس خوبی سے بھی علی وجہ الکمال متصف
تھے۔ آپ کی صفت "حریص علیکم" تھی۔ آپ پوری کائنات کی ہدایت کے بارے میں فکر
مند رہتے۔ اور تلامذہ کا جو حلقہ آپ کی تربیت میں ہمیشہ کے لئے "صفہ میں رہتا۔ ان پر آپ
کی خصوصی نظر رہتی۔ ان کے کھانے پینے کے بارے میں سوچتے۔ شام کو مقامی رہنے والوں
میں انکی تقسیم فرماتے۔ تاکہ ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق طلباء کی خدمت کر سکے۔ ان
کے فقر وفاقہ اور تنگدستی کو دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ کہ چنانچہ ایک دفعہ اصحاب
صفہ سے فرمایا۔

لوعلمتم مالكم عند الله لاحببتم ان تزدادوا فقرا وحاجتً (8)

اگر تم اللہ کے ہاں اپنا مقام معلوم ہو تو تم فقر وفاقہ کی زیادتی کی خواہش کرو گے۔

جب کوئی مسئلہ پوچھتا۔ تو اس کی طرف پوری توجہ فرماتے۔ تاکہ اس کا علمی ذوق متاثر نہ
ہو۔ صحابہ کرام جب بھی کوئی عریضہ پیش کرتے۔ تو اسکا موقعہ پر فیصلہ فرماتے۔ آپ کی خیر
خواہی ایسے مقام تک پہنچی ہوئی تھی۔ کہ آپ اپنے علوم چن چن کر صحابہ کرام کو دیتے۔
چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ کے بارے میں ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کی خدمت
میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ احادیث یاد نہیں
رہتیں۔ جو میں آپ سے سنتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی چادر

Scanned with CamScanner

بچھاؤ۔ چنانچہ ابوہریرہؓ نے چادر بچھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک سے تین دفعہ دونوں ہاتھ بھر کر چادر میں ڈالا۔ اور پھر آخر میں ابوہریرہؓ سے فرمایا۔ کہ اس چادر کو لپیٹ کر سینہ سے لگاؤ۔ چنانچہ ابوہریرہؓ نے جب یہ عمل کیا۔ تو فرماتے ہیں۔

فمانسیت شیئا بعد (9)

اس کے بعد میں کسی روایت کو نہ بھولا

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک علوم و معارف کا خزینہ اور سرچشمہ تھا۔ اس لئے آپ سے یہ علوم اس عمل کے ذریعہ حضرت ابوہریرہؓ کو منتقل ہوئے۔ اس کے علاوہ متعدد ایسے واقعات ہیں۔ جو آپ کی خیر خواہی کے جذبہ سے معمور ہیں۔ لہٰذا ان تینوں عناصر میں پایہ تکمیل تک پہنچنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ زرائع قابلیت کے جملہ عناصر میں اوج ثریا تک پہنچنے کے ساتھ آپ کے بے پناہ علوم کے ہوتے ہوئے آپ ایک بہترین استاد کے جملہ خوبیوں سے موصوف تھے۔ اس لئے "انما بعثت معلّما" کی روشنی میں آپ کائنات عالم کے لئے ایک بہترین اور کہنہ مشق استاد رہے۔

1۔ علم التعلیم (8) مطبوعہ صوبہ پنجاب 19.8

2۔ خصائص کبریٰ جلد 166/1

3۔ معارف القرآن 467/1

4۔ سورہ البقرۃ /159

5۔ بخاری شریف 14/1

6۔ فضل الباری 148/2

7 بخاری شریف 17/1

8۔ سیرت مصطفیٰ 468

9۔ بخاری شریف 23/1

Scanned with CamScanner

نئی نسل کی اخلاقی تباہی کا ذمہ دار کون؟

کلچر اور ثقافت کے نام پر ہمارا معاشرہ بے حیائی اور بے دینی کے جس دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کے ذی حس افراد اس سے نالاں ہیں۔ علماء کرام اگر اس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ تو دقیانوسی اور قدامت پسندی کا طعنہ دیکر اس کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ذیل کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تجزیہ مشکل نہیں کہ ہماری نوجوان نسل اس سے کتنا نالاں ہے۔ یہ مختصر تجزیہ نشاندہی کرتا ہے کہ آج کل کے اخلاقی بگاڑ میں بنیادی کردار الیکٹرانک میڈیا ہے۔

(ادارہ)

مختلف موضوعات پر نوجوانوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے ایک سروے کے ذریعے ایچ ایڈ کالج کے شعبہ نفسیات کے طلبہ جن میں مظہر راقم، وسیم جاوید، عرفان رؤف، سید کرامت علی اور سید کاشف علی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے شعبہ نفسیات کے صدر پروفیسر عبداللطیف کی زیر نگرانی اسلام آباد کے مختلف بوائز اور گرلز کالج میں طالبہ کی آراء معلوم کیں۔ سروے کے موضوعات مختلف تھے جن میں آج کا نوجوان اور ہمارا میڈیا، نوجوانوں کے مسائل، ذہنی صحت اور امتحان میں ناکامی کے اسباب قابل ذکر ہیں۔ سروے سے حاصل شدہ نتائج کچھ اس طرح سے ہیں۔

55 فیصد طلباء و طالبات کی رائے میں میڈیا نوجوانوں کی اخلاقی تباہی و بربادی کا ذمہ دار ہے۔

60 فیصد طلباء و طالبات نے تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات کا ذمہ دار بھی میڈیا کو ہی بتایا ہے۔

85 فیصد طلبہ کی رائے میں براڈ کاسٹ میڈیا سے بے حیائی اور فحاشی کو پھیلایا جارہا ہے۔

40 فیصد طالباء و طالبات میڈیا سے اشتہار وغیرہ دیکھ کر ان کی تقلید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

85 فیصد طلباء و طالبات کی رائے میں میڈیا سے جنسیت کو ابھارا جارہا ہے۔ میڈیا پر ایسے ایسے

لباس زیب تن کیئے دکھاتے جاتے ہیں اور ایسی گفتگو اور حرکات دکھائی جاتی ہیں جن سے بے راہ روی کو فروغ ملتا ہے۔ 80 فیصد طلباء و طالبات میڈیا کو ہر حکومت کا جانبدار تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میڈیا انصاف پسند نہیں ہے۔

تاثرات :۔ آج کا انسانی جسمانی بیماریوں سے زیادہ ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ اس کی جہاں اور کئی وجوہات ہیں وہاں ہمارے میڈیا پر دکھائے جانے والے تشدد آمیز اور جنسیت کو ابھارنے والے پروگرام بھی کچھ کم نہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ٹی وی میڈیا میں سب سے زیادہ زود اثر ہے۔ پی ٹی وی جو سرکاری ذرائع ابلاغ کا سب سے موثر ادارہ ہے وہاں سے چند گھنٹوں کے لئے حکومت کی اجازت سے شروع ہونے والا پرائیویٹ چینل (ایس ٹی این) جس سے چوبیس گھنٹے مغرب کے درآمد شدہ پروگرام فلمیں ڈرامے اور کارٹون وغیرہ دکھائے جاتے ہیں جن کی ہماری قومی روایات ملکی ضروریات تاریخی و ثقافتی پس منظر یا ہمارے مسائل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہمارے زیادہ تر پروگرام بھی انہی پروگراموں کی نقل پر تیار کئے جاتے ہیں۔ جو لادینی کلچر اور مغربی نظریہ حیات ہی کی عکاسی کرتے ہیں۔ حالانکہ میڈیاز کو اپنے ملک کی ثقافت مذہب اور اپنی روایات کی عکاسی کرنی چاہیے۔ تفریح کے نام پر بنائے جانے والے پروگرام حساس ذہن نوجوانوں کو محض ایڈونچر یا نفسیاتی وجوہ کے باعث جرائم' بے حیائی' فحاشی اور جنسی فعل پر اکسانے ہیں۔ اس بات کا اعتراف اکتوبر 1991ء میں دوہرے قتل کے کیس میں جناب جسٹس نعیم الدین کی سربراہی میں قائم شدہ سپریم اپیلٹ عدالت کی سفارشات میں ہوچکا ہے۔ اور اس کی روشنی میں عدالت نے حکومت کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ فوری طور پر جرائم پر مبنی تمام فلموں اور ڈرموں پر پابندی لگائی جائے مگر اس پر عمل نہ کیا گیا۔ ٹی وی جیسے میڈیا پر فحاشی فروغ پارہی ہے اور حکومت ٹس سے مس نہیں۔ ملک میں فحاشی کو جس طرح فروغ دیا جارہا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ سروے کے مطابق سب سے زیادہ جذباتی مسائل جنس اور جنسی خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر گھر اور معاشرتی ماحول آتا ہے۔ گھریلو لڑائی جھگڑوں والدین کے حاکمانہ رویوں اور معاشی ناآسودگی کی وجہ سے جذباتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ان مسائل میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

انسان بہت زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔ شیر میلا پن بڑھ جاتا ہے۔ اسے تقریبا" ہجوم کا خوف ہو جاتا ہے۔ تنہائی پسند کرنے لگتا ہے۔ اپنی جنسی اور جسمانی نشوونما کے بارے میں پریشان رہتا

بقیہ ص ۴۹

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کتب ★

عقیقہ کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محمد امین

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کی تالیف ہے آپ نے اس میں اہم مسئلہ اٹھایا ہے اگرچہ یہ کتاب مختصر ہے یعنی صرف 96 صفحات پر مشتمل ہے تاہم اس میں موضوع سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ نیز عقیقہ کی لغوی تحقیق سے لے کر اس کی مشروعیت کے فلسفہ اور عقیقہ کے گوشت سے متعلق احکام پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب ایک جلد میں ہے اس کا گٹ اپ جاذب نظر ہے البتہ جلد بندی نہیں ہوئی ہے محض باکس بوڈ کا ٹائٹل کور لگا ہوا ہے۔ اس کے ناشر موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور ہے اس کی تاریخ اشاعت جنوری 1989ء ہے۔ اور طباعت کا کام مطبع العربیہ 30۔ لیک روڈ بالمقابل منشی چیمبر پرانی انار کلی لاہور میں اتمام تک پہنچا۔

عقیقہ کی شرعی حیثیت کے مضامین کو ایک افتتاحیہ' پیش لفظ' حرف اول اور دس شہ سرخیوں میں منضبط کرکے بیان کیا گیا ہے جو ایک تقریظ کی صورت لئے ہوئے ہے جب کہ پیش لفظ قائد ملت اسلامیہ' مفکر اسلام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ "الحق" نے لکھا ہے اس میں حضرت مولانا موصوف نے ان خدشات اور خطرات کا ذکر کیا ہے جو اسلامی عقائد اور طرز زندگی کو خارجی دسیسہ کاروں کی وجہ سے پیش ہیں۔ اور آخر میں حضرت مولانا کی اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کی کتب کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ ہماری آنے والی نسلوں سے اپنے اسلاف کی میراث گم نہ ہو۔ 74

بعد ازاں مولف موصف نے تمہیدی کلمات زیر عنوان "حرف اول" لکھے ہیں جس میں اس موضوع پر قلم اٹھانے کے اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے یہ کتاب لکھی گئی اور اس کتاب میں تعاون کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا ہے۔

اس کے بعد مولف موصوف نے پہلی شہ سرخی پر قلم اٹھایا ہے سب سے پہلے آپ "عقیقہ" کی لغوی و اصطلاحی وضاحت کرتے ہیں اور اس کے مآخذ اشتقاق ذکر کرتے ہیں۔ 75

پھر انہی صفحات میں عقیقہ کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کرکے عقیقہ کی وجہ تسمیہ پر اعتراضات ذکر کرتے ہیں اور بعد میں انہی اعتراضات کا جواب بھی دیتے

ہیں۔

آگے چل کر مولف موصوف "عقیقہ" کے متعلق روایات کی شہ سرخی کے تحت اس کی اہمیت و وجوب کے بارے میں وارد شدہ احادیث ذکر کرتا ہے۔ اور اس کے مشروع ہونے کا حکم بیان کرتا ہے۔ اس طرح یہ بھی روایت سے مستنبط کیا ہے کہ لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکری ذبح کی جائے۔ 76 نیز اس کے ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ مسائل کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً عقیقہ کے عوض میں "رہن ہونے کا مطلب" نام سے چھوٹی سی ذیلی سرخی میں اس نکتہ کی خوب وضاحت کی ہے۔ جس سے اس کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ 77

"عقیقہ کی مشروعیت کا فلسفہ" نام سے جو شہ سرخی دی گئی ہے اس میں اس کی توجیہات اور اس کے اجتماعی فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں بنیادی بات اللہ کی رضا پر جان سپردگی ہے۔ جبکہ "عقیقہ کا حکم" کے ذیل میں وہ تمام مسائل بیان کئے گئے ہیں جو مذاہب اربعہ کی رو سے واضح اور ثابت ہیں۔ عدم ثبوت کے بارے میں بھی بعض لوگوں کے جو شبہات ہیں ان کا ازالہ کیا ہے۔

آگے چل کر موصوف مولف نے ایک علمی اور تحقیقی بحث چھیڑی ہے اور وہ "عقیقہ" کے منسوخ ہونے کے بارے میں ہے پہلے یہاں پر ثابت کرکے دکھاتے ہیں کہ عقیقہ منسوخ نہیں ہوا ہے اور اس بارے میں اس طرح کے تمام اقوال کی تطبیق و تاویل پیش کرتے ہیں۔

ایک اور شہ سرخی "عقیقہ کے متعلق فقہاء کرام کے اقوال" کے تحت، مولف فاضل نے عقیقہ سے متعلق ائمہ اربعہ کے علاوہ فقہی کتب کے اقوال ذکر کئے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ عقیقہ باعث ثواب و برکت عمل ہے یہاں تک کہ فقیہ العصر حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کی رائے بھی اس کے اثبات میں نقل کی ہے۔ 78 اور اس کے بعد مفتی ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن کی رائے کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا مالک رحمہ اللہ، حضرت امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ، شوافع اور ثمری رحمہ اللہ وغیرہ سب ائمہ کی آرا نقل کی ہیں۔

آگے چل کر "عقیقہ کے مکلف کون؟" کے زیر عنوان تمام ائمہ فقہ کی رائے کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی وجہ سے عقیقہ کوئی نہ کر سکے تو وہ وبال کس پر ہوگا؟ اس مسئلہ میں فقہاء نے جو مختلف رائے ظاہر کئے ہیں ان کا وہ پورا بیان نقل کیا ہے۔ ان میں

احناف کی رائے بالکل واضح اور فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ کہ "عقیقہ" کرنے یا نہ کرنے دونوں کی ذمہ داری صرف والد پر پڑتی ہے۔ بشرطیکہ وہ صاحب استطاعت ہو۔ آگے چل کر کچھ مسائل عقیقہ کے وقت کے بارے میں ہیں۔ لڑکی کی عقیقہ میں فرق کے بارے میں ہیں (جو تکرار معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کا مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے) نیز حیوان کے تعین کے بارے میں بھی ضروری مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی یہ کہ کیا بکری ہو یا بھیڑ ہو۔ یا مینڈھا، وغیرہ۔ 79

آخری مسئلہ جو بیان ہوا ہے وہ عمل فی العقیقہ (یعنی عقیقہ میں کیا کرنا چاہئیں ہے اس میں ان تمام غلط رسوم کا رد کیا ہے جو اس خطہ زمین کے بعض گھرانوں میں جاری ہے اور صحیح اسلامی طریقہ بتایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس جانور کا گوشت سب لوگوں کو کھلایا جاسکتا ہے اور اپنے اہل خانہ کو بھی کھلایا جائے گا۔

بقیہ صـ ۴۳

ہے۔ بات بات پر غصے میں آجاتا ہے اور لڑائی جھگڑا کرنے لگتا ہے۔ ان مسائل کی وجہ سے انسان ذہنی کشمکش کا شکار ہوجاتا ہے جو زیادہ شدید صورتحال اختیار کرنے پر ذہنی امراض اور پاگل پن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ خودکشی جذباتی مسائل ہی کا رد عمل ہے۔

بشکریہ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی

ماہنامہ العصر اسلامی حدود کے دائرہ میں رہتے ہوئے مسائل پر آزادانہ تحقیق کا حامی ہے تاہم مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں العصر کے صفحات آپ کے علمی تحقیقی اور معیاری مقالہ جات کے لئے حاضر ہیں۔

Scanned with CamScanner

اخبار الجامعة

مولانا حسین احمد

○ دسمبر:۔ دارالعلوم عربیہ ٹل کے شیخ الحدیث حضرت مولانا معزالحق صاحب جامعہ میں تشریف لائے۔ حضرت مہتمم صاحب نے جامعہ کے تعلیمی اور تربیتی نظام سے آگاہ کیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے نہایت اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ نماز عصر کے بعد حضرت شیخ نے حضرت مہتمم صاحب کی درخواست پر طلباء سے مختصر خطاب فرمایا۔ اور جامعہ اور طلباء کے حق میں دعا فرمائی۔

○ دسمبر:۔ حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم سعیدیہ اوگی ضلع مانسہرہ جامعہ میں تشریف لائے۔ دوسرے دن فجر کے بعد حضرت مفتی صاحب نے طلباء سے مختصر اور جامع بیان فرمایا۔ اور طلباء کے حق میں دعا فرمائی۔

○ دسمبر:۔ حضرت مولانا محمد قاسم مقیم برمنگھم (برطانیہ) اور مولانا ظہیرالدین صاحب مہتمم مدرسہ علوم القرآن مصریال روڈ راولپنڈی جامعہ میں تشریف لائے۔ عشاء کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے آداب علم پر طلباء کے سامنے مفصل اور نہایت موثر بیان فرمایا۔ اور برطانیہ کے کچھ حالات سے طلباء کو آگاہ فرمایا۔

○ 18 دسمبر:۔ جامعہ کا سالانہ امتحان شروع ہوا۔ درجہ اعدادیہ' درجہ اولیٰ اور درجہ ثالثہ کے طلباء نے امتحان میں شرکت کی۔ 18' 19' 20 دسمبر کو تحریری امتحان ہوا۔ روزانہ دو پرچے ہوتے رہے۔ 21 دسمبر کو تقریری امتحان ہوا۔

○ 23 دسمبر:۔ پاکستان کے مدارس اسلامیہ کی سب سے بڑی اور منظم تنظیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت ملک بھر میں سالانہ امتحانات شروع ہوئے۔ جو 28 دسمبر تک جاری رہے۔ جامعہ عثمانیہ کے درجہ متوسط اور درجہ ثانویہ عامہ کے طلباء نے وفاق کا امتحان دیا۔

○ 26 دسمبر:۔ وفاق کے امتحان کے لئے جامع امداد العلوم پشاور سنٹر کے نگران اعلیٰ (سپرنٹنڈنٹ) حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدرس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اپنے معاونین کے ساتھ جامعہ عثمانیہ تشریف لائے۔ موصوف نے بعد نماز مغرب جامعہ کے طلباء سے مختصر خطاب بھی کیا اور اپنے اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔

○ 28 دسمبر:۔ وفاق المدارس کے سالانہ امتحان ختم ہوگئے۔ جامع میں 2 مارچ تک کے لئے

Scanned with CamScanner

چھٹیاں ہو گئیں۔ ۵ مارچ / ۱۱ شوال المکرم کو اگلے تعلیمی سال کے لئے داخلے شروع ہوں گے۔ اسی دن جامعہ کے قدیم طلباء اپنے داخلے کی تجدید کرائیں گے۔ جبکہ ۶، ۷، ۸ مارچ کو جدید طلباء کا داخلہ ہوگا۔

اَلحَمدُ لِلّٰہ

وفاقی محتسب اعلیٰ جناب جسٹس عثمان علی شاہ صاحب کے فیصلہ کے موجب پاکستان کے تمام اسکولوں میں مکمل ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم ایک علیحدہ و لازمی مضمون ہوگا۔ وزارت تعلیم اسلام آباد نے ملک کے تمام تعلیمی اداروں کو اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دی ہیں کہ ان پر فوری سختی سے عمل کرایا جائے۔ فیصلے اور ہدایات کے موجب (الف) مضمون ناظرہ قرآن کریم کے علیحدہ چالیس نمبر ہوں گے (ب) یہ مضمون لازمی ہوگا (ت) اس میں پاس ہونا لازمی ہوگا (ث) اس کا نتیجہ علیحدہ مضمون کی حیثیت سے مارکس شیٹ میں درج کیا جائیگا (ج) ہفتہ میں کم از کم تین پیریڈ ناظرہ قرآن مجید کے لئے دیے جائیں گے (ح) ناظرہ قرآن کی تعلیم تیسری جماعت سے شروع ہو اور ساتویں جماعت تک پورے قرآن کریم کو مکمل کیا جائیگا آٹھویں جماعت میں قرآن پاک کو دہرایا جائیگا (خ) پاروں کی تقسیم اس طرح پر ہے تیسری کلاس قرآنی قاعدہ اور تیسواں پارہ۔ چوتھی کلاس پارہ انتیس تا اٹھائیس۔ پانچویں کلاس پارہ ایک تا پارہ چھ۔ چھٹی کلاس پارہ سات تا پارہ سولہ۔ ساتویں کلاس پارہ سترہ تا پارہ ستائیس۔ آٹھویں جماعت میں مکمل قرآن کریم کو دہرایا جائیگا۔

ڈائریکٹر آف ایجوکیشن نے بھی تمام اسکولوں کو احکامات جاری کر دیئے ہیں کہ ان ہدایات پر سختی سے عمل کرایا جائے۔ مزید یہ کہ اسکولوں کے تمام شیڈول میں مضمون ناظرہ قرآن کریم ایک علیحدہ مضمون کی حیثیت سے علیحدہ کالم میں لکھا جائیگا اور سالانہ امتحان کی مارکس شیٹ میں ایک علیحدہ کالم کے اندر اس مضمون کو رکھا جائیگا۔

تمام حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے علاقے کے اسکول میں کوشش فرمائیں کہ اسکولوں میں ناظرہ قرآن کریم سے متعلق یہ فیصلہ عملی طور پر نافذ ہو جائے۔